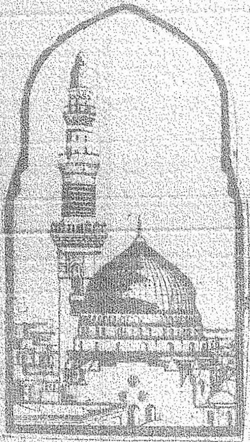
خدام الدین

بانی ادارہ شیخ التفسیر حضرت
مولانا احمد علی
رحمۃ اللہ علیہ

رئیس الادارہ جانشین شیخ التفسیر
مولانا عبید اللہ انور

رئیس التحریر
مولانا مفتی محمود



آپ

کے گزشتہ اعمال سیاست سامنے آجاتے ہیں ...
ہنسی بھی آتی ہے اور رونا بھی۔ آپ نے برسوں سیاست ...
کے ساتھ جو تمسخر کیا ہے اس کی نظیر شاید ہی ...
کسی قوم کی ضلالت و گمراہی میں ملے۔

ابوالکلام آزاد

مطبوعات انجمن خدام الدین شیرانوالہ دروازہ لاہور، پاکستان

فون ٦٧٥٤٥

٦٠ پیسے

احادیث الرسول

عن علیؓ قال بین کتفیہ خاتم النبوۃ وھو خاتم النبیین۔ (رواہ الترمذی)

ترجمہ: حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ آپؐ کے دونوں شانوں کے درمیان مہرِ نبوت تھی کیونکہ آپؐ خاتم النبیین تھے۔ (اس حدیث کو ترمذی نے روایت کیا ہے)

تشریح اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ کی اس معنوی خصوصیت کو حسّی شکل میں بھی ظاہر کر دیا گیا تھا۔ کتبِ سابقہ میں بھی مہرِ نبوت آپؐ کی ایک علامت بتلائی گئی تھی۔ اس لیے بعض طالبینِ حق نے منجملہ اور علامات کے آپؐ کی مہرِ نبوت کو بھی تلاش کیا ہے۔ اس حدیث سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ خاتم النبیین آپ کا شاعرانہ لقب نہ تھا بلکہ مہرِ نبوت اور آخری نبی ہونے کی وجہ سے آپ کو خاتم النبیین کہا جاتا تھا۔

عن عرباض بن ساریۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انی عبد اللہ وخاتم النبیین۔ (رواہ البیہقی والحاکم وصححہ۔ (کذا فی الدر المنثور۔ ج ۵ ص [illegible])

ترجمہ: عرباض بن ساریہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میں عبد اللہ ہوں (اللہ کا بندہ) اور میں خاتم النبیین ہوں (آخری نبی)۔ (اس حدیث کو بیہقی اور حاکم نے روایت کیا ہے۔ اور اس کو صحیح کہا ہے)

تشریح حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ نے لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم معنیٰ ترکیبی کے لحاظ سے "عبد اللہ" نہیں ہیں بلکہ انبیاء علیہم السلام میں "عبد اللہ" آپ کا لقب بھی تھا۔

قرآن کریم میں "عبد اللہ" بطور لقب صرف آپؐ کی ذات پر اطلاق ہوا ہے۔ "فلما قام عبد اللہ کادوا یکونون علیہ لبدا" جب "عبد اللہ" (یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم) نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو قریب تھا کہ وہ تہ بہ تہ ہو کر آپؐ پر ٹوٹ پڑتے"

حدیث میں ہے کہ آپ کو اختیار دیا گیا تھا اگر چاہیں رسالت بجائے ملوکیت پسند کر لیں، جیسا کہ سلیمان علیہ السلام تھے یا چاہیں تو عبدیت اختیار کر لیں۔ آپؐ نے عبدیت کو ہی پسند فرما لیا۔ اس کے بعد آپ کی نشست و برخاست، طعام و قیام سب ہی عبدیت کا پہلو غالب تھا۔

دعاءِ تشہد میں بھی عبدہٗ و رسولہٗ تعلیم کیا گیا ہے یعنی عبدیت کو مقدم رکھا گیا ہے۔ حتیٰ کہ ایک شخص نے اس ترتیب کو بدل کر جب رسولہٗ و عبدہٗ کہا تو آپؐ نے اس کی اصلاح فرمائی اور کہا کہ وہی عبدہٗ و رسولہٗ کہو۔

شیخ اکبرؒ تحریر فرماتے ہیں۔ کہ ایک مرتبہ مجھ پر یہ مقام عبدیت سوئی کے ناکے کے برابر منکشف ہوا تھا تو میں اس کی بھی تاب نہ لا سکا اور قریب تھا کہ جل جاتا ـــــ اسی طرح آپؐ کا دوسرا لقب خاتم النبیین ہے پہلا لقب آپؐ کی ذاتی صفت اور دوسرا بلحاظ انبیاء علیہم السلام ہے۔ آپؐ سے پہلے کسی رسول نے یہ دعویٰ نہیں کیا بلکہ دوسرے رسولوں کی آمد کی بشارت دی ہے۔ اگر یہ لقب صرف شاعرانہ مبالغہ ہوتا تو آپؐ سے پہلے انبیاء پر بھی اس کا اطلاق درست ہوتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دعوےٰ کرنا بتلاتا ہے کہ پہلے صحف میں کسی خاتم النبیین کی بشارت موجود تھی۔ آپؐ بتلا رہے ہیں کہ اس کا مصداق میں ہوں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ہفت روزہ
خدام الدین
لاہور پاکستان

۱۰ صفر المظفر ۱۳۹۵ ھ
۲۱ فروری ۱۹۷۵ ء

جلد ـــــ ۲۰
شمارہ ۳۹

سالانہ ۲۶/۰ روپے
ششماہی ۱۴/۰ روپے
سہ ماہی ۷/۰ روپے
فی شمارہ ۹۰ پیسے

چیف ایڈیٹر
جانشین شیخ التفسیر
مولانا عبیداللہ انور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

احساس کی چوکھٹ پہ کھڑا سوچ رہا ہوں

اختر کاشمیری

پشاور یونیورسٹی میں جو خوفناک اور تباہ کن دھماکہ ہوا اس کے نتیجہ میں پیپلز پارٹی سرحد کے سینئر وزیر جناب حیات محمد خاں شیرپاؤ اور کئی دوسرے حاضرین ہلاک اور زخمی ہو گئے۔

سرحد میں مسٹر شیرپاؤ کی جماعتی حیثیت وہی تھی جو پنجاب میں حنیف رامے سے قبل ملک غلام مصطفیٰ کھر کی تھی۔ واقعات کی دنیا میں دونوں رہنماؤں کے ایسے رقیب موجود تھے جن کو ان "رہنماؤں" کا سیاسی قد کاٹھ اپنی ترقی کی راہ میں رکاوٹ نظر آتا تھا۔ سرحد کے نووارد سیاست دان شیرپاؤ مرحوم سے شاید اس لیے بھی پرخاش رکھتے تھے کہ وہ کم عمر ہونے کے باوجود اپنی جماعت کے معمر سیاستدانوں سے سینئر تھے۔

اب جبکہ وہ اللہ کو پیارے ہو گئے ہیں تو نہ کوئی سینئر رہا اور نہ جونیئر۔ رفیق اور رقیب دونوں پریشان اور افسردہ حال ہیں۔ بلکہ ؎

وہ بھی شریکِ غم ہیں ستم یہ تو دیکھئے
دامن پہ جن کے خونِ شہدا ہے آج بھی

ایک اخباری اطلاع کے مطابق ملک میں گزشتہ دو سال کے دوران اسی نوعیت کے ۵۴ بڑے دھماکے ہو چکے ہیں جن میں ۲۵ افراد ہلاک اور ۸۰ زخمی ہوئے ہیں۔

یہ دھماکہ خیز صورتِ حال ہر محب وطن شہری کے لیے پریشانی کا باعث ہے اور ہر شخص اپنے آپ کو اس "دھماکستان" میں غیر محفوظ سمجھنے پر مجبور ہے۔

ان دھماکوں کے "منظر" میں جو کچھ ہے وہ مشکوک ہے اور "پس منظر" جو کچھ ہے وہ ایک راز ہے۔ اور شاید معاہدہ تاشقند کی طرح ہمیشہ راز رہے۔ ہم اس پوزیشن میں نہیں کہ کسی فرد یا جماعت کا نام لے سکیں۔ لیکن یہ کہنا ہم اپنا قومی فرض سمجھتے ہیں کہ ربوے کے قصرِ "خلافت" میں بیٹھ کر اسرائیلی یہودیوں کے جو معنوی فرزند اور

افغان ایجنٹ اپنے "آقاؤں" کی دلالی کرتے ہوئے کھلے بیش گریبان داغتے، اپنے اندھے عقیدت مندوں کو افغانی فوجوں کے نزول کی خوشخبریاں سناتے اور مخالفین (مسلمانوں) کے عبرت ناک انجام کے سیاسی حربے استعمال فرماتے ہیں وہ اس خونی ڈرامے کے اداکار ہیں۔

ہمارے نزدیک ملک میں ہونے والے دھماکوں میں چھوٹے ہاتھوں کے ایک بڑا ہاتھ ان پاکستانی یہودیوں کا بھی ہے جو ۷ ستمبر کے بعد زخمی سانپ کی طرح بل کھا رہے ہیں۔ جب تک مجرموں کو بے نقاب نہیں کیا جاتا اور انہیں قرار واقعی سزا نہیں دی جاتی اس وقت تک شہدائے جمہوریت کی ارواح کو سکون نہیں آسکتا۔ اگر تمہارے ضمیر مردہ، دماغ ماؤف، آنکھیں اندھی اور کان بہرے ہو گئے تو آج بھی تمہیں ایک ایک شہید کی پکار سنائی دے سکتی ہے ۔

میں کس کے ہاتھ پہ اپنا لہو تلاش کروں
تمام شہر نے پہنے ہوئے ہیں دستانے

بندہ پرور کہیں اپنوں ہی کا یہ کام نہ ہو

شہید اسلام مولانا شمس الدین، شہید جمہوریت ڈاکٹر نذیر احمد رفیق، عبدالصمد اچکزئی، جاوید نذیر اور نواب محمد احمد خان کی شہادت کے بعد حیات محمد خان شیرپاؤ کی شہادت بلاشبہ ایک المیہ ہے۔ اس کا ایک پہلو تو وہ ہے جس کی طرف گزشتہ سطور میں ہم نے اشارہ کیا ہے لیکن اس کے ساتھ اس کا ایک دوسرا پہلو بھی قابل غور ہے۔ وہ یہ کہ ترقی یافتہ ایٹمی دور میں جب کسی دشمن ملک کا طیارہ ملک کی طرف بڑھتا ہے تو سرحدوں پر نصب شدہ آلات (راڈار) وغیرہ سے فوراً پتہ چل جاتا ہے کہ دشمن کے ارادے اچھے نہیں۔ ایسے آلات کی بھی کوئی کمی نہیں۔ جن کی مدد سے مقام صدر سے چاروں طرف کم از کم ۲۰ میل کے فاصلہ تک چھپا ہوا اسلحہ تلاش کیا جا سکتا ہے ہوائی جہاز سے سفر کرنے والے لوگ جانتے ہیں کہ جہاز میں سوار ہونے سے قبل جامہ تلاشی کے بغیر ایک چھوٹے سے آلہ کی مدد سے جسم کے اندر چھپائے ہوئے سونے کے تار تک برآمد کر لیے جاتے ہیں۔ طیاروں کے اغوا کے خطرے کے پیش نظر ایک پل میں پورے جہاز کے پرزے دیکھ لیے جاتے ہیں۔ وسائل کی اس قدر فراوانی، پولیس، انٹیلیجنس اور سیکورٹی فورس کی موجودگی میں پشاور یونیورسٹی میں ہونے والا دھماکہ

ع اک معمہ ہے سمجھنے کا نہ سمجھانے کا

کیونکہ ۵ اس میں کچھ پردہ نشینوں کے بھی نام آتے ہیں۔

یہ نہ بھولیے کہ تحریک ختم نبوت کے دوران سرحد اسمبلی نے قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کے عالم اسلام کے دیرینہ مطالبہ کی سب سے پہلے توثیق کی تھی جس میں حیات محمد خان شیرپاؤ شریک تھے ۔

ہر چارہ گر کو چارہ گری سے گریز ہے

اس حادثہ کے بعد ردِ عمل کے طور پر حکومت نے نیشنل عوامی پارٹی کو خلاف قانون قرار دے کر پارٹی کے تمام سرکردہ لیڈروں کو گرفتار کر لیا ہے۔ سرکاری پریس نوٹ میں کہا گیا ہے کہ "نیشنل عوامی پارٹی کی سرگرمیاں ملک کے مفادات کے خلاف تھیں اس لیے یہ قدم اٹھانا ناگزیر تھا۔"

نیپ کے لیڈروں کو قیام پاکستان سے لے کر آج تک ہر حکومت غدّار اور ملک دشمن کہتی چلی آرہی ہے اور ہر نئی حکومت نے اس معاملے میں مکھی پر مکھی مار کر تیس مار خاں بننے کی کوشش کی ہے لیکن ان افراد کو غدّار ثابت کرنے کے لیے عدالت میں کبھی نہیں لایا گیا قوم نے بارہا مطالبہ کیا ہے کہ جو لوگ ملک کے دشمن ہیں ان کی دشمنی کے ناقابل تردید شواہد پیش کر کے ان کو اپنے انجام کار تک پہنچایا جائے لیکن اس کام سے پہلی حکومتوں نے بھی گریز کیا اور موجودہ حکومت بھی اعراض کر رہی ہے۔ اگر نیپ فی الواقع ملک دشمن ہے تو اس کے خلافِ قانون قرار دینے کا صحیح طریقہ یہ تھا کہ اس کی غداری کو ہائی کورٹ یا سپریم کورٹ میں ثابت کیا جاتا لیکن حکومت اس کی جرأت کرنے سے گھبرا رہی ہے۔ اب جو کچھ ہو چکا ہے اس کا فیصلہ مستقبل کرے گا۔ حکومت کے اس طرزِ عمل پر اندرونی حلقے اگر مصلحتاً خاموش ہو گئے تو بیرونی حلقہ

(باقی صفحہ ۶ پر)

خطبہ جمعہ
۷ فروری ۷۵ء
— مرتب —
اختر کاشمیری

خدا سے سرکشی اور بغاوت کا نتیجہ ہلاکت و تباہی ہے

علماء کرام اور دینی مدارس حکومتوں کی سرپرستی سے ہمیشہ بے نیاز رہے ہیں

جانشین شیخ التفسیرؒ حضرت مولانا عبید اللہ انور دامت برکاتہم

الحمد للہ وکفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ: اما بعد:

فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم:
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم:
کنتم خیر امۃ اخرجت للناس ۰

تم دنیا میں سب سے اچھی اور برگزیدہ جماعت ہو۔ جن کو لوگوں کی ہدایت و اصلاح کے لیے مامور کیا گیا ہے یعنی تم امتوں میں سب سے بہترین امت ہو۔ اس لیے دنیا میں تم کو امامت و رہنمائی کا منصبِ عظیم عطا فرمایا گیا ہے۔

اب جو فرائض امامت عادلہ کے لیے ضروری ہیں ان کو پورا کرتے ہوئے نظام کائنات کو چلانے کے لیے احکامات ربانی کا عملی نفاذ تمہاری ذمہ داری ہے اور دنیا سے بدی کو مٹانا اور نیکی کو پھیلانا تمہارا فرض ہے۔

قرآن کی رو سے امتِ مسلمہ پر لازم ہے کہ وہ اخلاق و عمل کے لحاظ سے دنیا کے لیے ایک کامل نمونہ بن کر دنیا کے کونے کونے تک ہدایت کے پیغام کو پہنچائے۔ کیونکہ اسی عظیم کام کو سرانجام دینے کے لیے اس کو پیدا کیا گیا ہے۔ اور اسی فرض کو پورا کرنے کے لیے اس کو امامت و پیشوائی کا منصب عطا فرما کر اس کے سر پہ فضیلت و سرفرازی کا نورانی تاج رکھا گیا ہے۔ امتِ مسلمہ کو خدا کی طرف سے یہ جو سرفرازی و سربلندی عطا فرمائی گئی ہے۔ اس کا تقاضا یہ ہے کہ یہ پوری دنیا میں عدل و انصاف، نیکی و راستبازی، خداپرستی اور راست روی کو جاری و ساری کرے۔

اس عظیم کام کو بطریق احسن بجا لانے کے لیے اللہ تعالےٰ نے اس کے وسائل بھی پیدا کر دیے ہیں تاکہ نظام حق کے اجراء کے سلسلے میں اسے کوئی دشواری پیش نہ آئے۔

اور فرمایا کہ دنیا کی ہر چیز میں نے تمہارے لیے پیدا کی ہے تاکہ تم اس سے فائدہ اٹھاؤ۔ اور تم کو اپنی عبادت کے لیے خاص کیا ہے تاکہ تم کامیاب اور کامران بن جاؤ۔ وسخرلکم ما فی السمٰوٰتِ وما فی الارض جمیعا منہ اور ھوالذی خلقلکم ما فی الارض جمیعًا۔ یہ زمین و آسمان، بحر و بر اور ہر خشک و تر اس انسان کے لیے ہے اور یہ خدائے وحدہٗ لاشریک کے لیے۔

ہر چیز کو اس کا مطیع بنا کر اس کو اپنا مطیع بنایا گیا ہے۔ ہر چیز پر اس کو قدرت غلبہ عطا فرما کر اس کو اپنی عبادت و بندگی کے لیے منتخب فرمایا ہے۔

وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون۔

اور ہم نے جنات اور انسانوں کو اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔

یہی عبادت و بندگی ہے جس سے قومیں ترقی یافتہ اور بااصول بنتی ہیں۔ یہی انبیاء کی تعلیم ہے۔ جو اس پر عمل کرتا ہے فلاح پاتا ہے اور جو اعراض کرتا ہے ناکام و نامراد رہتا ہے۔

یہی نیکی اور حق پرستی ہے جس سے کائنات کا نظام چل رہا ہے۔

دنیا کی ہر چیز اس حکم الہٰی کے آگے سرنگوں ہے اور ہر چیز احکامات الہٰی پر عمل پیرا ہو کر عبادت و بندگی میں مشغول ہے۔ اگر یہ عبادت و بندگی ختم ہو گئی تو کائنات کا نظام درہم برہم ہو جائے گا۔

دنیا کا وجود اور دنیا کی ہر چیز کا وجود اس لیے قائم ہے کہ خدا کا ذکر موجود ہے۔ جب یہ ختم ہوگا تو قیامت آ جائے گی۔

خدا سے سرکشی اور بغاوت کا نتیجہ ہلاکت و تباہی ہے اور بدقسمتی سے ہر چیز سے بڑھ کر انسان خدا کا باغی ہے۔ جس کی وجہ سے دنیا فتنہ و فساد کی آماجگاہ بنی ہوئی ہے۔ اگر انسان دنیا کی دوسری چیزوں کی عبادت و بندگی کو نہیں سمجھتا تو یہ ایسا ہی ہے جیسے ایک ملک کے افراد دوسرے ملک کی زبان سے نا آشنا ہوتے ہیں لیکن اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ اس ملک کے رہنے والے بولتے ہی نہیں۔

اسی طرح اگر ہم دوسری چیزوں کے ذکر کو نہیں سمجھتے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ چیزیں عبادت اور ذکر نہیں کرتیں۔ اگر دنیا کی ہر چیز خدا کی فرمانبردار ہے اور ہم نافرمان ہیں تو یہ سب سے بڑی بدبختی ہے

الغرض ان تمام کمزوریوں کو دور کرنا اور اسلام کی روشنی کو پھیلانا امتِ مسلمہ کا کام ہے۔

اس وقت دنیا میں بے شمار مذاہب ہیں جو اپنے آپ کو برحق سمجھتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ نیکی اور حق پرستی کا جو نمونہ اسلام نے پیش کیا ہے دنیا کے تمام مذاہب اس کی نظیر نہیں پیش کر سکتے۔

اس لیے کہ ان کی بنیادی تعلیمات میں تحریف ہوئی ہے اللہ تعالےٰ نے اسلام کی حفاظت کا ذمہ خود لیا ہے اس لیے یہ تحریفات سے مبرّا ہے اور اس کی حفاظت ان غریب علماء سے لے رہا ہے جن کو کسی دور میں سرکاری سرپرستی حاصل نہیں رہی اور جن مدارس میں اسلام کی تعلیم دی جاتی ہے وہ حکام کی سرپرستی سے ہمیشہ بے نیاز رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اسلامی تعلیمات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

بقیہ: شذرہ

شاید اسی قدر منہ زوری کریں گے خصوصاً روس اس معاملہ میں خاموش نہیں رہے گا جس کے سربراہ نے وزیراعظم کے سامنے کہا تھا کہ "اگر بنگلہ دیش کی طرف سے کوئی اور تحریک پاکستان میں اٹھی تو ہم اس کی حمایت کریں گے۔ ایسی صورت میں حکومت جو کچھ کرے گی وہ اس کی خود ہی ذمہ دار ہے۔ جہاں تک پیپلز پارٹی کے ورکروں کے ردّ عمل کا تعلق ہے وہ مثبت نہیں منفی ہے۔ ایک قابل احترام وزیر کی موت کو بہانہ بنا کر اس طرح ہڑتال کرنا جس طرح ایک مسیحی نوجوان کی موت پر کی تھی کوئی مستحسن عمل نہیں اسی طرح قومی املاک تباہ کرنا، سیاسی جماعتوں کے دفاتر جلانا اور ان کی جائدادیں لوٹنا بھی حب الوطنی کی تعریف میں نہیں آتا اور یہ کام ان لوگوں کو زیب نہیں دیتا جو کہتے ہیں "اسلام ہمارا مذہب ہے"۔

گزری کل کی بات نہ چھیڑو وہ تو ایک حقیقت تھی

قومی اسمبلی میں جناب حیات محمد خاں شیرپاؤ کی شہادت کا مسئلہ زیر بحث آیا تو قائد حزب اختلاف مولانا مفتی محمود نے کہا مجرموں کو قرار واقعی سزا دی جائے اور اس سے پیشتر جو سیاسی قتل ہوئے ہیں ان کو بھی فراموش نہ کیا جائے اور ان شہداء وطن کے قاتلوں کو بھی پکڑا جائے

اس پر اسپیکر اسمبلی نے فرمایا کہ آپ اس مسئلہ کو شیرپاؤ کے قتل تک محدود رکھیں اور وزیراعظم نے اس پر گرہ لگائی کہ "ہم جانتے ہیں آپ یوں صفائی پیش کرتے ہیں"۔

حقیقت یہ ہے کہ اس قسم کی طفلانہ باتیں ان کے منصب سے بہت فروتر ہیں۔

گزشتہ تین سالوں میں برسراقتدار طبقہ نے غنڈہ گردی کو جس قدر فروغ دیا ہے۔ گزشتہ ۲۰ برس اور انگریز کے دو صد سالہ دور غلامی میں بھی اس کی مثال نہیں ملتی۔ جن ہتھکنڈوں نے پاکستان کو مقتل بنا رکھا ہے ان سے مجرمانہ چشم پوشی نہایت افسوسناک ہے اور آج کی بات پر اصرار کل کی بات سے انکار کا کوئی معقول جواز نہیں۔ بہرحال ہماری دعا ہے:؎

خدایا خیر ہو گلستاں کی
یہاں صیاد، مالی ہو گئے ہیں
ہزاروں ولولے ساغر کے دل میں
چمن کی خشک ڈالی ہو گئے ہیں

قسط (۴)

ذکر بالجہر کی شرعی حیثیت

قاضی محمد یونس انور

یہ ضروری نہیں کہ کوئی چیز اصل میں ہی بُری ہو تو وہ بدعت ہوگی۔ بلکہ وہ اہم عبادات و طاعات بھی جن کو شریعت نے مطلق چھوڑا ہے ان میں اپنی طرف سے قیود لگانا یا ان کی کیفیت کو بدل دینا یا اپنی طرف سے اوقات کے ساتھ متعین کر دینا بھی شریعت کی اصطلاح میں بدعت ہوگا اور شریعت اسلامی اُسے پسند نہ کرے گی۔ اور ان کو واجب عقیدہ یا عمل بنانا ہی بدعت، گمراہی اور دوزخ کا ذریعہ ہے جیسے حدیثوں سے ثابت ہے۔

علامہ ابو اسحٰق شاطبی بدعات کی تعیین اور تردید کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وَمِنْهَا اِلْتِزَامُ الْكَيْفِيَاتِ وَالْهَيْئَاتِ الْمُعَيَّنَةِ كَالذِّكْرِ بِهَيْئَةِ الْاِجْتِمَاعِ عَلٰى صَوْتٍ وَّاحِدٍ۔ الخ
(الاعتصام ج ۱ ص ۳۴)

اور انہی بدعات میں سے کیفیات مخصوصہ و ہیئات معینہ کا التزام ہے جیسے اجتماعی شکل میں ایک آواز کے ساتھ ذکر کرنا۔

ایک دوسرے مقام پر علامہ شاطبی لکھتے ہیں:

واما ارتفاع الاصوات فی المساجد فنا شیٔ عن بدعۃ الجدال فی الدین۔ الخ (الاعتصام ج ۲ ص ۷۹)

بہر حال مسجدوں میں چلا چلا کر آوازیں بلند کرنا تو یہ محض دین کے نام پر جھگڑے اور تعصب کے لیے ایجاد کیا گیا ہے۔

مشہور فقیہ ابو حنیفہ ثانی علامہ زین العابدین ابن نجیم المصری حنفی لکھتے ہیں:

لِاَنَّ ذِكْرَ اللّٰهِ تَعَالٰى اِذَا قُصِدَ بِهِ التَّخْصِيْصُ بِوَقْتٍ دُوْنَ وَقْتٍ اَوْ بِشَيْءٍ دُوْنَ شَيْءٍ لَمْ يَكُنْ مَشْرُوْعًا حَيْثُ لَمْ يَرِدْ بِهِ الشَّرْ
لِاَنَّهُ خِلَافُ الشَّرْعِ (بحر الرائق ج ۲ ص ۱۵۹)

اس لیے کہ ذکر اللہ کی جب کسی ایک ہی وقت کے ساتھ تخصیص کا مقصد کر لیا گیا اور دوسرے و میں وہ نہ ہوا یا کسی شے کے ساتھ ذکر اللہ مخصوص کر لیا گیا دوسری چیز کے ساتھ وہ خاص کیا گیا تو وہ مشروع نہ ہوگا کیونکہ اس کے متعل شریعت میں کوئی تخصیص نہیں آئی۔ لہٰذا وہ خلاف شرع ہوگا۔

حافظ ابن حجرؒ کی شرح عباب میں ہے:

"اور نمازی کے لیے جبکہ وہ تنہا ہو یا مقتدی یہ بات مسنون ہے کہ سلام پھیر کر کثرت سے اور ذکر اللہ کرے خاموشی کے ساتھ کیونکہ احادی ایسا ہی آیا ہے۔"

یہ بات پہلے نقل کی جا چکی ہے۔ جن روایا میں جہر کا ذکر ہے۔ تو اس سے مراد یہ ہے کہ روایات تعلیم پر دلالت کرتی ہیں نہ یہ کہ وہ د معمول تھا۔ اگر یہ بات ہوتی تو ابن مسعودؓ بھی بدعت کہتے اور نہ منع فرماتے ہوئے مسجد سے نک اور نہ ہی فقہاء مجتہدین جہر بالذکر کو بدعت کہتے۔ ابن عباسؓ والی روایت کے بارے میں علامہ نو امام شافعیؒ سے نقل کرتے ہیں۔

وَنَقَلَ ابْنُ بَطَّالٍؒ وَّ اٰخَرُوْنَ اَنَّ اَصْحَا الْمَذَاهِبِ الْمَتْبُوْعَةِ وَغَيْرَهُمْ مُتَّفِقُوْنَ عَلٰى عَ اِسْتِحْبَابِ رَفْعِ الصَّوْتِ بِالذِّكْرِ وَالتَّكْبِيْرِ حَمَلَ الشَّافِعِيُّ هٰذَا الْحَدِيْثَ عَلٰى اَنَّهٗ جَهَ وَقْتًا يَسِيْرًا حَتّٰى يُعَلِّمَهُمْ صِفَةَ الذِّكْرِ لَا اَ

جھروا اذا شئنا (شرح مسلم ۵ ج ۱ ص ۲۱۷)

ابن بطالؒ وغیرہ نے یہ بات نقل کی ہے کہ وہ ائمہ مذہب جن کا اکثر لوگ اتباع کرتے ہیں (یعنی ائمہ اربعہ) اور اسی طرح دیگر ائمہ اس بات پر متفق ہیں کہ بلند آواز سے ذکر کرنا اور تکبیر کہنا مستحب نہیں اور حضرت ابن عباسؓ کی اس روایت کا مطلب امام شافعیؒ نے یہ بیان کیا ہے کہ کچھ عرصہ تک لوگوں کو تعلیم دینے کی غرض سے ذکر بالجہر ہوتا رہا۔ نہ یہ کہ انہوں نے اس پر دوام کیا۔

حضرت حافظ ابن حجر عسقلانیؒ ابن عباسؓ والی حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

وقال النووی حمل الشافعی هذا الحديث على انهم جهروا به وقتا يسيرا لاجل تعليم صفة الذكر لا انهم داوموا على الجهر به والمختار ان الامام والماموم يخفيان الذكر الا اذا احتيج الى التعليم (فتح الباری ج ۲ ص ۲۵۶)

حنفی مذہب کے بہت بڑے فقیہ صاحب درِ مختار لکھتے ہیں:

ورفع الصوت بالذكر بدعة۔ فيقتصر على مورد الشرع (بحوالہ امداد الفتاوی ج ۴ ص ۴۵)

اور آواز بلند کرنا ذکر کے ساتھ بدعت ہے۔ (اور جہاں آواز بلند کرنے کا حکم آیا ہے) وہ اپنے اسی محل پر بند رہے گا۔

دوسری جگہ لکھتے ہیں:

ويكره رفع الصوت بذكر (اى فى مسجد) الا للمتفقهه الخ (درمختار ج ۱ ص ۵۱۶ و فتح الملهم ج ۲ ص ۱۷۱)

یعنی سیکھنے سکھانے والوں کے بغیر مسجد میں ذکر کے ساتھ آواز بلند کرنا بدعت ہے۔

باقی جن صوفیاءؒ نے جہر کو مستحب کہا ہے اس سے مراد بھی جہر مفرط نہیں۔ یعنی چلا چلا کر پڑھنے کو وہ بھی جائز قرار نہیں دیتے۔ بالخصوص کسی نمازی کے پاس یا سونے والے یا قرآن پڑھنے والے کے پاس ذکر جہر کرنے کو تو وہ بھی مکروہ اور حرام کہتے ہیں۔

چنانچہ شامی میں ہے:

وفى حاشية الحموى عن الامام الشعرانى اجمع العلماء سلفا وخلفا على استحباب ذكر الجماعة فى المساجد وغيرها الا ان يشوش جهرهم على نائم او مصلٍ او قارئ۔

یعنی متقدمین و متاخرین نے اس پر اتفاق کیا کہ مسجدوں میں جماعتوں کا ذکر کرنا مستحب ہے۔ مگر یہ کہ ان کے جہر سے کسی سونے والے یا نمازی یا قاری کو پریشانی نہ ہو) (شامی ج ۱ ص ۴۴۴)

اور آج کل سب دیکھتے ہیں کہ ہر نماز میں دو چار مسبوق اپنی اپنی نمازیں پڑھتے ہیں تو بلند آواز سے ذکر کرنا ان کی نمازوں میں خلل ڈالنا ہوا، اس لیے مکروہ ہے۔

ایسے ہی صاحب روح البیان لکھتے ہیں:

وقد جمع النووی بين الاحاديث الواردة فى استحباب الجهر بالذكر والواردة فى استحباب الاسرار به۔ بان الاخفاء افضل حيث خاف الرياء او تأذى المصلون او النائمون والجهر افضل فى غير ذالك لان العمل فيه اكثر۔ ولان فائدته تتعدى الى السامعين ولانه يوقظ قلب الذاكر ويجمع همه الى الفكر ويصرف سمعه اليه ويطرد النوم الخ (روح البیان ج ۲ ص ۳۸۶)

جو احادیث کہ بلند آواز سے ذکر کرنے کے بارے میں وارد ہوئی ہیں اور جو احادیث آہستہ ذکر کرنے کے بارے میں وارد ہوئی ہیں۔ امام نوویؒ نے یوں تطبیق دی ہے کہ آہستہ ذکر کرنا اس وقت افضل ہے جبکہ جہر سے ریاء کا خوف ہو یا نمازیوں کو جہر سے تکلیف ہوتی ہو یا سونے والوں کو بے آرامی ہوتی ہو اور جہاں یہ مجبوریاں نہ ہوں تو وہاں جہر سے ذکر کرنا افضل ہے کیونکہ اس پر عمل زیادہ ہے اور اس لیے بھی کہ اس کا فائدہ سامعین کی طرف متعدی ہوتا ہے اور یہ ذکر دل کو بیدار کرتا ہے اور اس کے کان بھی اس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور نیند بھی بھاگے گی۔

علامہ ابن عابدین شامیؒ لکھتے ہیں:

والجمع بينهما بان ذلك يختلف باختلاف الاشخاص والاحوال - كما جمع بذلك بين الاحاديث الجهر والاخفاء بالقرءة ولا يعارض ذالك حديث خير الذكر الخفى لانه حيث خيف الرياء او تاذى المصلّون او النيام. فان خلا مما ذكر فقال بعض اهل العلم ان الجهر افضل - الخ ــــ

(شامی ج ۱ ص۶۱)

ان احادیث میں تطبیق یوں ہے کہ یہ اشخاص و احوال کی وجہ سے مختلف ہیں جیسا کہ بلند آواز سے قرأت کرنے اور آہستہ پڑھنے کی حدیثوں میں یہ تطبیق دی گئی ہے اور یہ اس حدیث کے معارض نہیں ہے جس میں آتا ہے کہ بہتر ذکر آہستہ ہے کیونکہ جہر وہاں بہتر نہیں۔ جہاں ریا کا خوف ہو یا نمازیوں کو تکلیف ہوتی ہو یا سونے والے کو اذیت ہوتی ہو۔ پس اگر ان امور سے خالی ہو تو بعض اہل علم نے کہا ہے کہ ذکر بالجہر افضل ہے۔

ان صریح عبارات سے معلوم ہوا کہ جن بزرگوں نے ذکر بالجہر کی اجازت دی ہے تو انہوں نے مشروط کیا ہے اور صاف کہا ہے کہ ذکر بالجہر وہاں افضل ہے اور جائز ہے جہاں ریاء کا خوف نہ ہو اور جہاں نمازیوں کی نماز میں اور سونے والوں کی نیند میں خلل نہ آتا ہو۔ ریاء تو ایک باطنی امر ہے۔ اس کا علم تو اللہ تعالے کو ہو سکتا ہے یا ریاکار خود جان سکتا ہے۔ لیکن ذکر بالجہر سے نمازیوں کی نماز میں اور سونے والوں کی نیند میں جو خلل پڑتا ہے وہ اظہر من الشمس ہے بلکہ بدعتیوں کی ہمیشہ سے یہ کوشش رہی ہے اور اب تو اس پر زور شور کے ساتھ اس پر عامل ہیں۔ تعجب اور حیرت ہے کہ اپنے کو حنفی کہلانے والے قرآن و حدیث سے قطع نظر فقہائے احناف رح کی تصریحات کی بھی خلاف ورزی کرتے ہیں اور گلے پھاڑ پھاڑ کر مسجدوں کی بے حرمتی کرتے ہیں اور نمازیوں کو پریشان کرتے ہیں اور اس پر ثواب کے امیدوار ہیں۔

بعض لوگ اپنے مدعا کو ثابت کرنے کے لیے شیخ عبدالحق محدث دہلوی رح کا حوالہ پیش کرتے ہیں کہ انہوں نے اشعۃ اللمعات میں لکھا ہے کہ "ذکر جہر بلاشبہ جائز ہے" انتہی۔

الجواب۔ پہلے بھی لکھا جا چکا ہے کہ بعض بزرگان دین اور صوفیاء ذکر بالجہر کے قائل ہیں مگر انہوں نے صاف تصریح کر دی ہے کہ نمازی یا قاری قرآن، یا بیمار یا سونے والے کے پاس جہراً ذکر کرنا جائز نہیں۔ شیخ عبدالحق دہلوی رح بھی انہی بزرگوں میں سے ہیں دوسری بات یہ ہے کہ انہوں نے صرف ذکر بالجہر کو جائز کہا ہے۔ انہوں نے کب کہا کہ تم گلے پھاڑ پھاڑ کر مسجدوں میں نمازی جب نماز پوری کر رہے ہوں تو ذکر کیا کرو؟ کیا کوئی ایسی تصنیف اُن بزرگوں کی موجود ہے؟ تیسری بات یہ ہے کہ مشکوٰۃ شریف ج ۱ ص۸۸ میں عبداللہ ابن زبیر رض والی جس روایت سے استدلال کیا جاتا ہے جس میں بصوتہ الاعلیٰ کا جملہ (معنی ہے بلند آواز سے پڑھنا) یہ روایت مسلم شریف ج ۱ ص۲۱۸ سے اخذ کی ہے۔ لیکن مسلم شریف میں بصوتہ الاعلیٰ کا جملہ نہیں۔ یہ صاحب مشکوٰۃ کا وہم ہے جیسا کہ ان کے کئی اور اوہام ہیں جو اہل علم پر مخفی نہیں۔ چوتھی بات یہ ہے کہ اہل بدعت جہر بالذکر کو ثابت کرنے کے لیے عبداللہ ابن الزبیر رض والی روایت سے استدلال کرتے ہیں جس کے الفاظ یوں ہیں:-

لا الٰہ الّا اللہ وحدہ لا شریک لہٗ لہٗ الملک ولہ الحمد وھو علیٰ کلّ شیئٍ قدیر لاحول ولا قوۃ اِلّا باللہ۔ لا الٰہ الّا اللہ ولا نعبد الّا ایّاہ، لہُ النعمۃ ولہ الفضل ولہ الثناء الحسنُ لا الٰہ الا اللہ مخلصین لہ الدّین ولو کرہ الکافرون۔ (رواہ مسلم)

لیکن آج کل اہل بدعت تین بار حق لا الٰہ الّا اللہ بلند آواز سے پڑھتے اور آخر میں محمّد رسول اللہ کہہ لیتے ہیں۔ تعجب اور افسوس ہے کہ حوالہ تو مذکورہ بالا حدیث کا دیتے ہیں اور پڑھتے وہ کچھ ہیں جو اپنی اختراع اور من گھڑت کلام ہے۔ حالانکہ اگر حدیث پر عمل ہوتا تو وہ پورا کلام بعینہٖ پڑھتے جو حدیث میں ہے۔ مگر کیا کیا جائے۔

(باقی صـ ۲۲ پر)

مولانا عبدالرشید مدرس جامعہ مدنیہ لاہور

حضرت عثمانؓ کے اجتہادی فیصلے

اسلام سے پہلے قریش کے چار خاندان مکہ پر چھائے ہوئے تھے۔ خاندان ہاشم، خاندان عبد شمس، خاندان مطلب، خاندان نوفل یہ چاروں ایک دادا عبد مناف کی اولاد تھے اور تجارت کرتے تھے، ان کے تجارتی قافلے شام، عراق، یمن اور حبشہ جایا کرتے تھے، لیکن ان کی خوشحالی میں مدوجزر ہوتا رہتا تھا۔ موافق یا ناموافق حالات کے زیر اثر کبھی ایک خاندان پھلنے پھولنے لگتا کبھی دوسرا، جو خاندان زیادہ متمول ہوجاتا اسی کا اثر و رسوخ آس پاس کے عرب قبیلوں میں بڑھتا جاتا وہی میر مکہ ہوتا، وہی مکہ کی قوم کا قائد اور خانہ کعبہ کا متولی بنتا اور اسی کے ہاتھ میں سالانہ حج کی قیادت ہوتی، اس وجہ سے دونوں خاندانوں میں مسابقت کی دوڑ اور رقابت کی روح کارفرما رہتی تھی البتہ اسلام لانے کے بعد ان کی رقابت اللہ تعالیٰ نے ختم کردی عثمان غنیؓ کا تعلق عبد شمس (بنو امیہ) کے خاندان سے تھا، ان کے والد آسودہ حال بیوپاری تھے اور تجارتی قافلے لے کر شام جایا کرتے تھے ایک سفر کے دوران وہ شام کے مشہور ساحلی شہر غزہ میں بیمار ہوئے اور وہیں ان کا انتقال ہوگیا۔ عثمان کے صرف تین بیٹے تھے لیکن مال و دولت خوب تھی، والد کی موت کے بعد عثمان غنی نے تجارت کو اور بھی فروغ دیا۔ اس آسودہ حال اور متمول خاندان کے شریف النفس نوجوان حضرت عثمان غنیؓ ابوبکرؓ صدیق کی ترغیب پر مسلمان ہوئے آپؓ رسول اللہؐ سے پانچ چھ سال چھوٹے بتائے جاتے ہیں۔ میانہ قامت، وجیہ اور خوش رُو، گندمی رنگ، چوڑا سینہ اور بال گھنے تھے، ہمدرد و غمخوار دل پایا تھا بڑے کشادہ دست تھے اس مالداری کے باوجود نیاز مند اور صلح جو بھی تھے۔ ان کی سیرت و کردار کی پختگی کو دیکھ کر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی لڑکی رقیہ کی ان سے شادی کردی یہ وہ زمانہ تھا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں اسلام کی جدوجہد میں مشغول تھے اس وقت عثمان غنیؓ کی عمر تقریباً چالیس سال تھی۔ قریش مکہ کی اسلام دشمنی جب بڑھ گئی تو عثمان غنیؓ بیوی بچوں سمیت حبشہ ہجرت کر گئے جہاں کے تاجروں سے ان کے دوستانہ تعلقات تھے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کرکے مدینہ منورہ تشریف لائے تو عثمانؓ بھی پردیس سے لوٹ آئے ۲ھ میں جنگ بدر کے موقعہ پر ان کی بیوی رقیہ بنت رسول اللہؐ بیمار پڑیں جس کی بنا پر حضورؐ حضرت عثمانؓ کو یہاں اپنی بیوی کی دیکھ بھال کا حکم دیا مرض بڑھتا گیا یہاں تک کہ جان لیوا ہوا۔ رقیہؓ کی وفات کے بعد حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت عثمان غنیؓ سے درخواست کی کہ حفصہؓ سے شادی کرلیں لیکن حضرت عثمان غنیؓ نے منظور نہ فرمایا حضرت عمرؓ نے اس بات کی شکایت حضورؐ سے کی تو آپ نے حضرت حفصہؓ سے خود نکاح فرمایا اور حضرت عثمانؓ کو اپنی صاحبزادی حضرت ام کلثوم کا رشتہ دیا۔ جنگ بدر کے علاوہ تمام معرکوں میں حضور کیساتھ رہے اور روپیہ پیسہ سے بھی اسلام کی خوب خدمت کی جب مکہ سے مسلمان ہجرت کرکے مدینہ آئے تو وہاں کا پانی پسند نہ آیا۔ شہر کے باہر اچھے پانی کا ایک ہی کنواں تھا جس کو بئیر رومہ کہتے ہیں اور یہ کنواں ایک یہودی کا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے تھے کہ کنواں خریدا جائے لیکن سوال یہ تھا کہ اس کی قیمت کہاں سے آئے کیونکہ مسلمانوں کی مالی حالت کمزور تھی حضرت عثمانؓ نے ہمت کرکے یہودی سے گفتگو کی تو سارا کنواں دینے پر تو وہ راضی نہ ہوا البتہ آدھا چھ ہزار روپیہ میں دے دیا۔ مسلمان ایک دن پانی لیتے اور دوسرے دن یہودی آخر وہ سارے کنواں کو دینے پر راضی ہوا تو حضرت عثمانؓ نے چار ہزار روپے اور دیئے۔ اس طرح دس ہزار روپے میں کنواں خرید کر مسلمانوں کے لئے وقف کیا۔ اسی طرح شام سے بازنطینی حکومت کے حملے کی خبر ملی تو حضورؐ نے چالیس ہزار فوج اور دس ہزار گھوڑوں کا انتظام کیا۔ اتنی بڑی تیاری کے لئے جہاد فنڈ کے نام سے چندہ ہوا جس کے پاس جس قدر تھا پیش کیا اس موقع پر حضرت عثمان غنیؓ نے ایک تہائی فوج کے ہتھیار، سواریاں اور غذا کا ذمہ لیا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ دس ہزار اشرفیاں بھی دیں حضور فرما رہے ہیں کہ آج کے بعد عثمانؓ کو کوئی عمل نقصان نہ دے گا حضرت عثمانؓ امیرانہ زندگی بسر کرتے رہے۔ عمدہ کھانا پینا پہننا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو بھی اسی طرح عقل فہم سے نوازا تھا جیسے ابوبکر اور عمر و علی رضی اللہ عنہم کو اللہ نے نوازا تھا اسی وجہ سے علماء نے لکھا ہے کہ صحابہ کرام میں سے جتنے صحابہ مجتہد تھے ان میں سے سب سے اعلےٰ مرتبہ خلفاء اربعہ کا تھا۔ اس وقت میرے سامنے عثمان غنیؓ کے اجتہاد کا موضوع ہے اس لئے میں ان کے چند اجتہادی فیصلوں کا ذکر کرتا ہوں۔

۱۔ حضرت عمر فاروقؓ کی شہادت کے بعد تین دن رائے شماری

ہوئی یعنی آخر حضرت عثمان غنیؓ ہی خلیفہ منتخب ہوئے انتخاب کے بعد سب سے پہلا فیصلہ اور اجتہاد جو آپ نے فرمایا وہ یہ تھا کہ عمر فاروقؓ کے لڑکے عبید اللہ بن عمرؓ نے ہرمزان اور جفینہ کو قتل کیا تھا جو عمر فاروقؓ کے قتل کی سازش میں شریک تھے ایک ہرمزان جو فارسی الاصل تھا اور جفینہ جو نصرانی تھا۔ اور ایک روایت کے مطابق ایک لڑکی بھی قتل کی حضرت عثمانؓ نے مہاجرین و انصار کو جمع کیا اور عبید اللہ بن عمرؓ کو بھی بلایا۔ صحابہ کرام سے پوچھا بتاؤ کیا فیصلہ ہونا چاہیئے تو حضرت علیؓ جیسے اکابر کا بھی یہ فیصلہ تھا کہ عبید اللہ بن عمر کو قصاصاً قتل کیا جائے بعض نے یہ کہا کہ کل تو عمر قتل ہوئے آج ان کا بیٹا قتل کیا جانا مناسب نہیں ہے۔ عمرو بن عاص نے کہا کہ اے امیر المومنین۔ اس معاملہ میں آپ کا کوئی اختیار نہیں یعنی قصاص تو لینا ہی پڑے گا۔ لیکن عثمان غنیؓ نے فرمایا کہ میں اس کی دیت اپنے ذاتی مال سے ادا کرتا ہوں۔ چنانچہ حضرت عثمانؓ نے مقتولین کی دیت اپنے مال سے ادا کی اور تمام صحابہؓ خوش ہوئے ایسے مشکل مسئلہ کا اس سے بہتر کوئی اور حل نہ تھا۔ اور یہ قانون اسلام کے مطابق بھی تھا اس لیئے کہ ان لوگوں کا یہاں کوئی وارث نہ تھا جس کا وارث موجود نہ ہو تو اس کا وارث خلیفہ ہوتا ہے اس کو اختیار ہے کہ قاتل کو قصاصاً قتل کرے۔

۱۔ یا دیت لے کر چھوڑ دے۔

۲۔ جب مسلمانوں کی تعداد زیادہ ہوگئی اور کاروبار بھی زیادہ ہوگیا تو جمعہ کے روز لوگ وقت پر نماز کے لیئے نہیں پہنچ سکتے تھے اس لیئے آپ نے خطبہ کی اذان سے پہلے ایک اذان کا اضافہ کروایا۔ صحابہ کرام نے اس پر کوئی اعتراض نہ کیا یہ بھی آپ کا ہی اجتہاد ہے اگرچہ بعد میں صحابہؓ کا بھی اس پر اجماع ہوگیا۔

۳۔ قرآن کریم کی تلاوت میں جب اختلاف ہوا اور حضرت عثمان غنیؓ کے پاس شکایات آئیں تو آپ نے ایک ہی قرأت پر قرآن مجید کو جمع کرا کے اس کی نقول تیار کر کے تمام بلاد اسلامیہ میں بھیجیں اور حکم دیا کہ اسی کے مطابق اس کو پڑھا جائے تاکہ امت فتنہ میں مبتلا نہ ہو جائے۔

۴۔ مقام منیٰ میں حج کے موقعہ پر نماز میں حضورؐ بھی قصر (چار رکعت کے بجائے دو) پڑھا کرتے تھے۔ اور ابو بکرؓ اور عمر فاروق رضی اللہ عنہم بھی اور خود عثمان غنیؓ بھی ابتدائی دور میں قصر کرتے رہے لیکن ۲۹ھ کے حج کے بعد ان کو معلوم ہوا کہ یمن اور بعض دوسرے علاقوں کے لوگ کہتے ہیں کہ مقیم کی نماز دو رکعت ہے۔ اور اس کی دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ خلیفہ نے مکہ میں شادی کر لی ہے لہٰذا مکہ بھی ان کا وطن اصلی کے حکم میں ہوا اور ان کی حیثیت مقیم کی ہوگئی اب ان کا منیٰ میں چار رکعت کا دو رکعت پڑھنا اس بات کی دلیل ہے کہ خلیفہ کے نزدیک مقیم کی نماز چار کے بجائے دو ہے۔ اس سے دوسرے مسلمانوں کو بھی دو رکعت ہی نماز پڑھنی چاہیئے۔

حج کے لئے دور دور سے غریب لوگ آتے تھے دیہات کے لوگ بھی شریک ہوتے تھے حضرت عثمان غنیؓ کو اندیشہ ہوا کہ مقیم کی نماز کے دو رکعت ہونے کا تصور کہیں عرب کے دوسرے شہروں اور قریوں میں نہ پھیل جائے اس لئے انہوں نے اقامت کی نیت کر کے منیٰ میں چار رکعت والی نماز کو چار ہی رکعت ادا کرنا شروع کیا۔

حضرت عثمان غنیؓ کے اپنے الفاظ یہ ہیں:

ان بعض من حج من اھل الیمن وجفاۃ الناس قد قالوا فی عامنا الماضی ان الصلوٰۃ للمقیم رکعتان ھذا امامکم عثمان یصلی رکعتین قد اتخذ بمکۃ اھلاً فرایت ان اصلی اربعا لخوف ما اخاف علی الناس واخری قد اتخذت بھا زوجۃ ولی بالطائف مال فربما اطلعتہ فاقمت فیہ بعد الصدر

ترجمہ:۔ یمن کے لوگوں میں سے جن بعض لوگوں نے حج کیا وہ اور بعض دوسرے علاقوں کے لوگ کہتے ہیں کہ مقیم کی نماز دو رکعت ہے اس لئے کہ یہ تمہارا امام (خلیفہ) عثمانؓ دو رکعت پڑھتا ہے حالانکہ انہوں نے مکہ میں شادی کر لی ہے (اس لئے یہ مقیم کے حکم میں ہو گئے۔ حضرت عثمانؓ فرماتے ہیں) تو میں نے سوچا کہ اس خطرے کے پیش نظر چار رکعت پڑھوں۔ (مقیم کی بھی دو رکعت ہی نماز ہے چار رکعت والی نماز میں) دوسری وجہ یہ بھی تھی کہ میں نے مکہ میں شادی کر لی تھی اور طائف میں میرا مال ہے۔ تو بہت دفعہ میں وہاں جاتا ہوں اور طواف صدر کے بعد یہاں ٹھہرتا ہوں۔ ان دو وجوہ کی بنا پر حضرت عثمانؓ نے دو رکعت نماز کے بجائے چار رکعت پڑھی کیونکہ وہ مقیم ہوگئے اور اگر وہ اقامت کی نیت کر کے چار نہ پڑھتے تو خدشہ تھا کہ لوگ سمجھیں گے کہ مقیم کی بھی خلیفہ ثالث کے نزدیک دو ہی رکعتیں ہیں تو امت کو گمراہی سے اور افتراق سے بچانے کے لئے حضرت عثمانؓ نے قوتِ اجتہادِ فقہی سے کام لیا۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ ان کا صحابہؓ میں اپنے وقت میں کتنا بڑا مرتبہ تھا اور آئندہ آنے والے واقعات کی طرف کتنی توجہ تھی

نوائے سروش

مسلماں سرودِ ازل کی نوا ہے — مسلماں لاریب ظلِ خدا ہے
مسلمان آئینۂ حق نما ہے — مسلماں نمائندۂ انبیاءؑ ہے

یہ تقویم احسن اسی کا نشاں ہے
خدا کی زمیں کا بھی پاسباں ہے

مسلماں پیامِ امن و اماں ہے — مسلماں کے ہاتھوں میں تیغ و سناں ہے
رہِ کفر میں ایک کوہِ گراں ہے — مسلماں زمیں پر خدا کا نشاں ہے

بظاہر اسیرِ زمین و زماں ہے
حقیقت میں یہ مالکِ دو جہاں ہے

حریمِ صداقت کا معمار مسلم — سعادت کے لشکر کا سالار مسلم
جہالت سے مصروفِ پیکار مسلم — شرارت کی گردن پہ تلوار مسلم

مجاہد یہ غازی، یہ بانکا جواں ہے
نگاہوں میں گرمی، لبوں پر فغاں ہے

مسلماں! قفس سے پھر آزاد ہو جا! — سراپا فغاں بن، تُو فریاد ہو جا!
خدا کی زمیں پر پھر آباد ہو جا! — سرِ کفر پر تیغ فولاد ہو جا!

غلامانِ احمدؐ کی تُو داستاں ہے،
فرشتوں سے نصرت بھی تجھ پر عیاں ہے

جو پیش آئے مشکل تو ہمت سے سر کر — پہاڑوں کے سینوں میں آتش بپا کر
ستاروں کی منزل سے آگے گزر کر — سوئے جادہ بے خوف ہو کر سفر کر

جوانِ مرد ہمت ہی تسکینِ جاں ہے
ترے عزمِ کامل کا یہ امتحاں ہے

فرشتوں سے بڑھ کر ہے توقیر تیری — خدا کی مشیت ہے تدبیر تیری
مؤید من اللہ ہے تقدیر تیری — خلافت زمیں کی ہے جاگیر تیری

بلندی کا تیری گواہ آسماں ہے
سرِ عرش تیرا رہا آشیاں ہے

بسلسلہ نظامِ شریعت کانفرنس

تو نغماتِ توحید گاتا چلا جا! جو پیغامِ حق ہے سناتا چلا جا!
نشاناتِ ظلمت مٹاتا چلا جا! اے مسلم! تو دنیا پہ چھاتا چلا جا!
ترا عزمِ راسخ ابھی تک جواں ہے
تو باطل کے خرمن پہ برقِ تپاں ہے

عنایت کیا ہے تجھے ایک گوہر جہاں جس سے ہوتے ہیں دم میں مسخر
ہے حاصل تجھے عشقِ محبوبِ داور زمانے میں تیرا نہیں کوئی ہمسر!
تو ہی بزمِ عالم میں ایسا نشاں ہے!
کہ رنگین جس کی رہی داستاں ہے!

تڑپ حق کی جب دل میں ہوتی ہے پیدا سمجھتا ہے کوہِ ہمالہ کو تنکا!
نہ سیلِ حوادث کی ہوتی ہے پروا "پہاڑ اس کے رستہ میں حائل نہ دریا!"
ہٹا دے وہ آیا وہ سیلِ رواں ہے
ہٹا دے یہ رستہ میں کوہِ گراں ہے

ترے ہاتھ میں تیغِ سلمان رض و حیدر رض ترے دل میں جوشِ بلال رض و ابوذر رض
تو اولادِ فاروق رض و صدیق اکبر رض ترا مرتبہ ہے فرشتوں سے برتر!
تری خاک میں ایک دنیا نہاں ہے!
شگفتہ گلوں پہ یہ کیسی خزاں ہے!

ترے دل میں ہے عشقِ شاہِ مدینہ ص یہی تیرا مرنا یہی تیرا جینا
ہے معمور نورِ الٰہی سے سینہ بھنور میں گھرے گا نہ تیرا سفینہ
یہ نظمِ مرصّع گلِ گلستاں ہے
عجب چیز اخترؔ کا حسنِ بیاں ہے

تاریخی ڈائری

اختر کاشمیری

باری مولوی کا انجام

ہلاکو خاں کا ایک درباری مولوی محقق طوسی سے

ت جلتا اور اس کے خلاف آئے دن سازشیں کرتا
تا تھا۔ جب ہلاکو خاں کی والدہ کا انتقال ہُوا تو
ں نے ہلاکو سے کہا:۔
" حضور! قبر میں منکر نکیر بہت سخت سوالات پوچھتے
ں آپ کی والدہ سیدھی سادی خاتون ہیں اس لیے
تر ہے کہ آپ علامہ طوسی کو اس کے ساتھ دفن کر
یں تاکہ وہ تمام سوالات کا جواب خود ہی دیں۔"
کو خاں نے محقق طوسی سے ذکر کیا تو اس نے کہا
ے آپ اپنے لیے مخصوص کر لیں اور اپنی والدہ
ے ساتھ اس نیک دل مولوی کو دفن کر دیں یہ کام
ا لے گا۔

ہلاکو نے اس تجویز کو منظور کر لیا اور دربار کے
زشی مولوی کو مرحومہ کے ساتھ دفن کر دیا۔

یدانِ عرفات اور چاہِ زمزم

ایک قاضی کی عدالت میں ایک گواہ پیش

ا۔ فریقین ثانی نے اعتراض اٹھایا کہ گواہ نے
یت مند ہونے کے باوجود حج نہیں کیا۔ اس لیے یہ
سق ہے اور فاسق کی گواہی معتبر نہیں ہوتی۔ قاضی
ے گواہ سے پوچھا کہ کیا یہ اعتراض درست ہے؟
ے لگا۔ بالکل غلط ہے۔ میں نے تو کئی حج کیے ہیں
ضی نے دریافت کیا۔ عرفات اور زمزم کیا ہیں؟
نے لگا۔ "عرفات ایک باغ ہے جس کے مالی کا نام
زم ہے"۔ حاضرین نے ایک بھرپور قہقہہ لگایا اور بتایا
عرفات اس میدان کا نام ہے جہاں حاجی آخری رات
زارتے ہیں اور زمزم ایک کنواں ہے۔ کہنے لگا۔
شتر برس یہ میدان اور کنواں نہیں تھا شاید حال ہی
میں بنے ہوں گے۔

بیدار حکمران

ایک مسافر رات کو سڑک کے کنارے سو گیا اور چور اس کا سامان لے کر چلے گئے۔ جب صبح بیدار ہُوا تو اپنا مال موجود نہ پا کر روتا پیٹتا بادشاہ کے پاس چلا گیا۔ بادشاہ نے کہا تم بڑے بے وقوف ہو کہ لب سڑک غافل ہو کر سو گئے۔ کہنے لگا۔ حضور! میرا خیال تھا کہ آپ جاگ رہے ہیں۔ کیونکہ رعایا سوتی ہے تو حکمران بیدار رہتا ہے۔

تین دوست

ایک دفعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کہانی سنائی کہ ایک شخص کے تین دوست تھے۔ جب وہ مرنے لگا تو ایک کو بلا کر پوچھا کہ اس مشکل وقت میں تم میری کیا امداد کر سکتے ہو؟ اس نے کہا میں عمر بھر آپ کی خدمت کرتا رہا لیکن اس وقت بالکل بے بس ہوں اور موت کو کسی طرح نہیں روک سکتا۔ پھر دوسرے کو طلب کیا وہ کہنے لگا میں اس وقت صرف اس قدر مدد کر سکتا ہوں کہ موت کے بعد آپ کو اچھی طرح نہلا دھلا کر نیا کفن پہناؤں اور کسی اچھی جگہ دفن کراؤں۔ اس کے بعد تیسرے کو بلایا وہ کہنے لگا میرے محبوب دوست! فکر نہ کرو میں موت کے بعد بھی تمہارا ساتھ دوں گا اور قبر میں ساتھ جاؤں گا تاکہ آپ تنہائی سے خوف محسوس نہ کریں اور قیامت کے دن میرے ہمراہ اٹھیں۔

پہلے دوست کا نام مال، دوسرے کا نام عیال اور تیسرے کا نام اعمال ہے!

میں ہُوا کافر وہ کافر مسلماں ہو گیا!

ایک دہریہ ایک مسلمان سے خدا کے متعلق الجھ گیا

(باقی ص ۲۲ پر)

قانون اور ہم

اکرام الحق
علوی
ایڈووکیٹ

سربراہ مملکت قانون کا اسی طرح محکوم ہے جس طرح ایک بیکس فقیر

اسلامی مملکت میں سزا کے خلاف رحم کی اپیل کا کوئی تصور نہیں

لفظ قانون سے عام قاری کے ذہن میں ملکی قوانین کا تصور ہی ابھرتا ہے مگر باوجودیکہ لفظ قانون طبعی اور کیمیائی اصولوں کو بھی محیط ہے بلکہ اس سے بھی ہمہ گیر معنی کا حامل ہے۔ علماء سیاسیات کے نزدیک قانون برتر ہستی کی طرف سے افراد معاشرہ کے لیے مقرر کردہ ضابطہ عمل ہے۔ قانون کی بنیاد افراد معاشرہ کا نظریہ حیات ہے اور نظریہ حیات کا اختلاف قوانین کے اختلاف کی غمازی کرتا ہے۔

کائنات میں جاری و ساری نظریاتِ حیات کو دو گروہوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ایک وہ جو عقل کے زور سے دلیل و برہان کی بناء پر قائم ہیں۔ دوسرے وہ جو عقل کو محدود گردان کر ماوراءِ عقل کی رہنمائی پہ بنیاد رکھتے ہیں۔

موجودہ دَور کے عقلیت پسند نظریات نے مغربی تہذیب کے بطن سے جنم لیا۔ مغرب کی موجودہ تہذیب کا آغاز اس فکری اور ذہنی رو سے ہوا جسے نشاۃ ثانیہ کہتے ہیں جو قرونِ وسطیٰ کے مذہبی جبر و تشدد کے نظام کے خلاف بغاوت سے عبارت تھی۔ ہر میدان میں مذہب کی دی ہوئی اقدار سے گریز بلکہ انحراف اور ان کے خلاف بغاوت کی روش اختیار کی گئی۔

عقلیت پسندوں کی آزادانہ روش سے پیدا ہونے والے قانون کی اصل یہ تھی کہ قانون کی پشت پناہ قوت ریاست ہے۔ ریاست کے منشا کے اظہار کا ذریعہ حکومت ہے۔ ریاست کی منشا افراد معاشرہ کی منشا قرار پائی۔

عقلیت پسند نظریۂ حیات رکھنے والی اقوام کے قانون ساز ادارے کسی دوسری ہستی کو اپنے لیے برتر تسلیم نہیں کرتے۔ قانون سازی کے اصول و ضوابط بھی ایسے ہی قانون ساز اداروں کے وضع کردہ ہوتے ہیں۔ ایسے قانون ساز اداروں کی ارضی حدود کا تعین تو کیا جا سکتا ہے مگر زندگی کے جن پہلوؤں کے متعلق ان کو قانون سازی کرنی ہوتی ہے ان کا تعین نہیں ہو سکتا۔ ایسے اداروں کے اختیارات لامحدود ہوتے ہیں۔ اسی وجہ سے برطانیہ جیسے عقلیت پسند ملک میں لواطت جیسے مخرب اخلاق جرم کو قانونی تحفظ دے دیا گیا ہے۔

عقلیت پسند نظریہ رکھنے والی اقوام کی اقدار کا محور و مرکز جلب دنیا، حصول منفعت، لذت پسندی اور مادہ پرستی ہے اور ان کے حصول کے لیے اختیار کی گئی ہر بداخلاقی اخلاق قرار پاتی ہے، بدی کو اچھائی تسلیم کیا جاتا ہے۔

بدی اور نیکی ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ مجموعہ ضدین محال ہے۔ بداعمال سے نیکی کی توقع عبث ہے۔ چنانچہ عقلیت پسند نظریہ حیات کی اقدار کے بر سرِ عمل آنے سے بحر و بر میں ایک فساد عظیم برپا ہو گیا۔ معاشرتی امن و امان تہ و بالا ہو گیا، انفرادی چین و سکون ختم ہو گیا، بے اطمینانی کی کیفیت عام ہو گئی، انسان اخلاق، مذہب، قانون اور رواج کے تمام بندھنوں کو توڑ کر بالکل مادر پدر آزادی کی تباہ کن راہ پر لگ گیا۔

عقل انسانی محدود ہے۔ عقل کی بنیاد پر وجود میں آنے والے نظریات انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں کو محیط نہیں ہو سکتے۔ اس کے برعکس ایک ایسی ہستی جو اس کائنات کو ایک ضابطہ کے مطابق چلا رہی ہے اور اسے نظم و ضبط برقرار رکھے ہوئے ہے کا علم و فہم زندگی کے جملہ پہلوؤں کو محیط ہو سکتا ہے۔ پس عقل کو محدود جان کر

عقل سے رہنمائی حاصل کرنے والے نظریاتِ حیات
ل اعتماد ہیں۔ جن کو الٰہی نظریات کہا جاتا ہے
ں سے آج اپنی صحیح شکل میں صرف اسلام ہی
ہے۔

کستان کا مطالبہ اسلام کی بناء پر جداگانہ قومیت
البہ تھا۔ اسلام کی اساس قرآن اور سنتِ رسول اللہ
للہ علیہ وسلم ہے۔ اس سرچشمے سے جو روحانی، اخلاقی،
قی، اقتصادی اور سیاسی نظام منضبط ہوتا ہے۔
ارا منتہا مقصود ہے مملکت خداداد پاکستان کے
وں کی انفرادی تربیت ان کی زندگی اور ان کے
ں امور کے بست و کشاد کو قرآن و سنت کی روشنی
ستوار کیا جانا چاہیے۔ پاکستان میں جو بھی نظام
و اسے اسلام کی صحیح تعبیر ہونا چاہیے کیونکہ یہ
سلامی نظامِ حیات کے عملی نفاذ کے لیے معرضِ وجود
تھا۔

اسلام کی رو سے اصل حاکم تشریعی و تکوینی حیثیت
ب العالمین ہے۔ اسلام کا سیاسی نظام اس یقین
روع ہوتا ہے کہ حاکمیت خداوند قدوس کے لیے،
ت نفاذِ قانونِ خداوندی ایک مقدس امانت ہیں۔
مملکت کے قوانین قرآن و سنت پر مبنی ہوتے
۔ جس قدر قوانین قرآن و سنت میں موجود ہیں وہ
ور اٹل ہیں۔ جن مسائل اور معاملات کے بارہ میں
احکام قرآن و سنت میں موجود نہ ہوں صرف ان کے
لات زمانہ اور ضرورتِ وقت کے مطابق قوانین
یے جا سکتے ہیں۔

مغربی ممالک کے برخلاف اسلامی مملکت کا سربراہ
جوابدہی سے مستثنیٰ نہیں ہوتا۔ سربراہِ مملکت بھی
کا اسی طرح محکوم ہے جس طرح ایک بے کس فقیر۔
عدلیہ کے نزدیک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے
ی موجودگی میں کسی دوسرے یا مقننہ کا فیصلہ بے وقعت
ہے۔

جن جرائم کی سزائیں کتاب و سنت کے اندر قطعی
ہیں اور واضح طریقے پر مقرر کر دی گئی ہیں ان
اذ کو سربراہِ مملکت بھی نہیں روک سکتا۔ چوری
کا جرم ثابت ہو جانے کے بعد ہاتھ کٹ کر رہے گا۔
زانی کو سنگساری یا سو کوڑوں کی سزا مل کر رہے گی۔
قاتل کو اگر مقتول کے وارثوں نے معاف نہیں کر دیا تو
اسے موت کی سزا مل کر رہے گی۔

اسلامی مملکت میں سزا کے خلاف رحم کی اپیل کا
کوئی تصور نہیں ہے جبکہ مغربی ممالک میں سربراہِ مملکت
سزا کے احکامات صادر ہو چکنے کے بعد سزا معاف کر
سکتا ہے۔

اسلام نے انسان کو انسانیت کے قریب تر لانے
کے لیے ہر شعبے کو دوسرے شعبہ میں مدغم کر دیا ہے۔
اسلامی مملکت میں زندگی کے جملہ شعبہ جات، عبادات،
سیاسیات اور اقتصادیات باہم مربوط ہیں۔

اسلام اور مغربی ممالک میں قانون اور قانون سازی پر
مختصراً عرض کرنے کے بعد میں آپ کی توجہ مملکت خداداد
پاکستان کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں۔ پاکستان کے
حالات پر ایک نظر ڈالنے سے عیاں ہو جاتا ہے، کہ
پاکستان میں کم از کم اسلامی نظریۂ حیات تو کارفرما نہیں
ہے کوئی اور الہامی نظریہ ہو تو ہو۔

پاکستان میں سب سے پہلے عبادات کو سیاسیات و
اقتصادیات سے الگ کیا۔ عبادات کو فرد کا ذاتی معاملہ
ٹھہرایا گیا۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لیے
حکومتی سطح پر کوئی خاطر خواہ توجہ نہ دی گئی۔ حتیٰ کہ
اندرونِ پاکستان بھی مسلمانوں کے اعتقادات کے لیے
اعلیٰ سطح پر کوئی قدم نہ اٹھایا گیا۔ جذبۂ یک جہتی مفقود
ہوتا چلا گیا۔ بدظنی اور نفسا نفسی عام ہو گئی۔ عصبیت جڑ
پکڑ گئی۔ نتیجتہً سیاسیات کی بنیاد اسلام کی بجائے اقتصادی
بدحالی اور صوبائی عصبیت نے لے لی۔

مجرم اگر اپنی وفاداریوں کا مرکز تبدیل کر لے
اور صدر مملکت سے اپیل کرے تو اس کی سزا بنام
رحم معاف ہو سکتی ہے اور خود سربراہِ مملکت کو عدالتی
جوابدہی سے مستثنیٰ قرار دیا گیا۔ اس طرح سربراہِ مملکت
کو قانون سے برتر حیثیت دے دی گئی۔

آزادی سے قبل کی تعزیرات ہند کو انگریز کی
وراثت کے طور پر سینے سے لگا لیا گیا ہے۔ عدلیہ

کے نزدیک مقننہ کے منظور شدہ ضوابط کی موجودگی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ بے وقعت قرار پایا۔

مقننہ خود مختار قانون ساز ادارہ کے طور پر وجود میں آئی جس پر کسی قسم کی پابندی نہیں ہے کسی بھی (قرآنی) قانون کی اٹل اور غیر متبدل حیثیت نہیں ہے۔ قرآن و سنت کا نفاذ مقننہ کی صوابدید پر منحصر رکھا گیا۔ پاکستان بنتے ہی اسلام سے یہ کہہ کر روگردانی کی گئی کہ آئین ساز اسمبلی ہی پاکستان کے لیے آئین بنائے گی۔ اس پر کسی قسم کا دباؤ ڈالنا درست نہیں۔ اس طرح قرار دادِ مقاصد کے پاس ہونے میں بھی روڑے اٹکائے گئے۔

آئین؟ . . . . .

انتظامی اختیارات کو بطور حق استعمال کیا گیا۔ ان کو کبھی بھی امانت کی حیثیت سے استعمال نہ کیا گیا۔ من مانی کارروائی کو جائز قرار دیا گیا۔ گورنر جنرل آئین ساز اسمبلی کو برخواست کر کے مطلق العنان حاکم بن گئے۔ نوکر شاہی کارندے صدر مملکت بنے اور پھر جرنیلوں کا دور آ گیا۔ اس کے بعد جیسا کہ ذکر کیا گیا ہے آج ہر طرف عقلیت پسند نظریاتِ حیات کار فرما ہیں اور پاکستان میں بھی عقلیت پسندوں کا دور ہے۔ مذہب کے خلاف بغاوت ہمارا اصل الاصول ہے۔ ہمارے جوان مذہب سے برگشتہ ہیں وہ جدت پسند ہیں۔ مذہبی لوگوں کو وہ ناپسند قرار دیتے ہیں۔

پاکستان میں سیاسیات و اقتصادیات میں مغربی ممالک کی تقلید کو اربابِ بست و کشاد نے ترقی کی راہ سمجھا۔ غیر ملکی قرضوں کے سہارے پر ترقی کی دوڑ میں لگ گئے۔ قوم کے اجتماعی فکر کو غیر اسلامی نظریات و افکار کے تابع کر دیا۔ ہمارے طلباء نے مغرب کی وضع قطع کو باعثِ سکون سمجھا۔ ہمارے سکولوں کالجوں اور یونیورسٹیوں میں مادر پدر آزادی کی تعلیم دی جانے لگی۔ مرد و زن کے آزادانہ اختلاط سے بڑھ کر اسلامی تعلیمات کا مضحکہ اڑایا جانے لگا اسلام کو آزادانہ طور پر ناقابل عمل ٹھہرایا جانے لگا ہمارے تعلیمی ادارے پیرس و لنڈن کے کلب بن کر رہ گئے۔ اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ چند ٹکوں کے عوض چند اوباش انسانوں کی لذت پسندی کی خاطر عصمت فروشی پر مجبور قوم کی بہنوں، بیٹیوں اور ماؤں پر مشتمل بازارِ حسن ہمارے اسلام کا طرۂ امتیاز ہیں۔

مملکت خداداد پاکستان میں جوا و شراب وغیرہ کے لیے کلب گھر ہیں۔ سود کے لیے بنک ہیں اور ان سب کو قانون کا تحفظ ہے۔

زکوٰۃ اور عشر کی وصولی ہماری حکومت کے نزدیک کوئی مسئلہ نہیں۔ اور باشندگانِ ملک کو بھی اس سے کوئی سروکار نہیں۔

ان حالات کو سامنے رکھئے اور پھر غور کیجئے ہماری اقدار کا محور و مرکز طلب دنیا، حصول منفعت لذت پسندی اور مادہ پرستی ہی معلوم ہوتا ہے۔ ان اقدار پر مرتب نظام کو خواہ اسلام کا اخلاقی نظام کہہ لیجئے خواہ کوئی اور نام دے دیجئے۔

آخری گزارش

لیڈرانِ قوم! کارپردازانِ ملت، علماءِ امت! اٹھئے، آگے بڑھئے وقت آپ کو پکار رہا ہے ملک میں اسلامی، ثقافتی، اقتصادی، مساواتی انقلاب برپا کرنے کے لیے بہت مہلت مل چکی۔

اللہ تعالےٰ آپ کا محتاج نہیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ اپنے دین کی حفاظت کے لیے کسی دوسری قوم کو لا کر آباد کر دیں اور پھر ہمیں غفلت پر پچھتانا پڑے کب تک دنیاوی جاہ و جلال کے لیے باہم دست و گریباں رہو گے۔ یہ شان و شوکت سب عارضی ہے متحد ہو کر ملک میں اسلامی نظام کے نفاذ کے لیے کوشش کیجئے۔ اگر آپ ایسا کرتے ہیں تو تاریخ میں تمہارا نام سنہری حروف سے لکھا جائے گا۔ دنیا کی نظروں میں عزت پاؤ گے۔ ماضی سے عبرت پکڑو، اپنی قابلیت پر غرور نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ بڑا بے نیاز ہے۔ اگر واقعی ملک و قوم کے لیے مخلص ہو تو متحد ہو جاؤ۔ مگر تم ایسا کیونکر کرنے لگے تمہیں ملک و ملت سے کیا۔ اپنی لیڈرشپ برقرار رہے۔ اگر ایسا نہیں تو

جامعہ حقیقت

مولانا قاری محمد طیب مدظلہ

فاروق قریشی

بزرگانِ محترم! اس جلسہ کا اصل مقصد جامعہ کے فضلاء کی دستار بندی ہے تاکہ جامعہ کی سال بھر کی کارگزاری معاونوں کے سامنے آجائے۔ اصل مقصد سال بھر کی کارگزاری اور اس کی تکمیل کا اعلان ہے۔ میں اس ذیل میں چند کلمات بہت مختصر وقت میں گزارش کرنا چاہتا ہوں۔ مختصر وقت میں نے اس لیے کہا کہ کچھ تو میں علیل و ضعیف بھی ہوں زیادہ بیان ہوتا بھی نہیں۔ کچھ اس وجہ سے کہ علماء کے اتنے بڑے مجمع میں ایک طالب علم کو ویسے بھی جرأت نہیں ہوتی کہ خواہ مخواہ حوصلہ پست ہوتا ہے۔

حضرت تھانویؒ کے پاس جب کبھی استاذ العصر حضرت شاہ صاحبؒ[لہ] تھانہ بھون جاتے تو حضرت فرمایا کرتے تھے کہ شاہ صاحب کے آنے سے میرے قلب پر ان کی علمی عظمت کا بوجھ پڑتا ہے۔ میں کچھ مرعوبیت سی محسوس کرتا ہوں۔ حضرت تھانویؒ عالم کامل عارف باللہ وہ حضرت شاہ صاحب کی علمی عظمت محسوس کریں۔ حالانکہ شاہ صاحب ان کے شاگردوں میں سے تھے۔ علم حق تعالیٰ جسے عطا فرمائے۔ یہاں اتنے علماء بیٹھے ہوتے ہیں آپ اندازہ کیجیے کہ میرے دل پر کتنا بوجھ پڑ رہا ہوگا اس بوجھ کا یہ اثر ہوتا ہے کہ اول تو قلت استعداد کی وجہ سے کوئی مضمون نہیں ہوتا اور ہوتا ہے تو وہ رفت ہو جاتا ہے۔

آپ حضرات نے اس جگہ بٹھلا دیا تو اس کا قدرتی تقاضا ہے کہ کچھ نہ کچھ کہا جائے اس واسطے میں نے عرض کیا کہ اختصار ہو کہ کچھ علالت و ضعف اور کچھ علماء کی موجودگی ہے کہ میں کچھ زیادہ عرض نہ کر سکوں اور مقصد اصلی دستار بندی ہے۔ اس کے لیے وقت بھی دینا ہے۔

بات صرف اتنی گزارش کرنی ہے کہ اس دنیا کے حالات اور اس کی اشیاء پر جہاں تک ہم نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں یہ محسوس ہوتا ہے کہ ہر چیز یہاں مرکب ہے۔

یعنی ایک حصہ اس میں نمایاں ہے جس کو آپ جسم کہتے ہیں، صورت کہتے ہیں اور ایک حصہ مخفی ہے جس کو آپ روح کہتے ہیں جان کہتے ہیں۔ دنیا کی ہر چیز روح و جسم سے مرکب ہے۔ نہ جسم محض اس جہان میں ہے نہ روح محض۔ جسمِ محض ہو تو اس کا انجام گلنا سڑنا، ٹوٹنا اور پھٹنا ہوتا ہے وہ بغیر روح کے باقی نہیں رہ سکتا۔ اور رُوحِ محض بغیر جسم کے نمایاں نہیں ہو سکتی۔ وہ مخفی کی مخفی رہ جائے گی۔ اس لیے جب بھی دنیا میں کوئی چیز آئے گی تو وہ اپنی ہیئت، پیکر لے کر آئے گی۔ یا دوسرے لفظوں میں یوں سمجھیے کہ جب بھی کوئی غیبی حقیقت ظاہر ہوگی تو وہ کوئی نہ کوئی پیکر، کوئی نہ کوئی پیراہن اختیار کرے گی اور وہ پیرایہ اسی کے مناسب حال ہوگا جو اللہ نے اس کے لیے تجویز کیا۔ مثلاً گلاب کی خوشبو ایک حقیقت ہے۔ وہ جب بھی نمایاں ہوگی تو گلاب کی پتی میں نمایاں ہوگی۔ یہ نہیں کہ کیکر کے پتوں میں نمایاں ہو جائے۔ وہ تو اپنی مناسب صورت اختیار کرے گی۔

خربوزہ ہے، اس کا ایک ذائقہ ہے۔ جب بھی آپ تلاش کریں گے تو اس کو خربوزے کی ہیئت میں تلاش کریں گے۔ یہ نہیں کہ آپ اسے آم کی ہیئت میں خربوزے کا مزا ڈھونڈنے لگیں اس لیے کہ ان ذائقوں کو اللہ نے انہیں کے مناسب شکل دی ہے وہ غیر شکل میں نمایاں نہیں ہو سکتے۔

انسان کو حق تعالیٰ شانہ نے حقیقتِ جامعہ بنایا جس میں سارے ظاہری اور باطنی کمالات ہیں۔ اس کے مناسب حال یہی صورۃ ہے جو آپ کی صورت نوعیہ ہے۔ یہ حقیقت کسی جانور کی شکل میں ظاہر نہیں ہو سکتی۔ اسی انسانی پیکر میں ظاہر ہوگی۔

تو ہر حقیقت قدرتاً چاہتی ہے کہ میرے مناسب صورت ہو۔ ہر صورت چاہتی ہے کہ میرے مناسب اس میں حقیقت ڈالی جائے۔ اللہ کے ہاں بے جوڑ قصہ نہیں کہ حقیقت کوئی سی ہو اور صورت کوئی دیدے۔ ہر صورت کے مناسب حقیقت اور ہر حقیقت کے مناسب صورت۔

لہ علامہ انور شاہ کشمیری

ایک حدیث شریف میں ارشاد ہے:

التمسوا الخیر فیہ شان الوجوہ ۔

یعنی خیر تلاش کرو خوب صورت چہروں میں ۔

یعنی اگر چہرہ میرا اچھا ہے تو اندر بھی خیر ہوگی، چہرہ میرا خراب ہے تو اس درجہ کی نہیں ہوگی ۔ یہ عام قاعدہ ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ قادر مطلق ہے وہ چاہیں تو بہتر سے بہتر صورت میں بری حقیقت ڈال دیں اور چاہیں تو بُری سے بُری صورت میں بہترین حقیقت ڈال دیں ۔ یہ درحقیقت ان کے قبضہ کی بات ہے لیکن سنت اللہ یہی ہے کہ جیسا پیکر ہوگا ویسی ہی حقیقت ظاہر ہوگی ۔

غالباً امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے مورخین لکھتے ہیں کہ سڑک پر ایک عورت کوئلے جیسی تھی اور جتنی بد صورتی کی علامتیں ہیں وہ ساری اس میں جمع تھیں ۔ غرض اس کی صورت کو دیکھ کر نفرت آتی تھی ۔ وہ حاملہ پائی گئی ۔ لوگوں کو حیرت تھی کہ اس غلیظ کی طرف کس نے توجہ کی ہوگی ۔ یہاں تک کہ حکومت میں یہ سوال پیدا ہوگیا کہ آخر ایسی گندی عورت کی طرف کون متوجہ ہوا ہوگا؟ کوئی نہایت ہی گندی طبیعت کا آدمی ہوگا ۔ سی آئی ڈی کو لگایا گیا کہ اس کا پتہ چلاؤ کہ کون اس گھٹیا حقیقت کا آدمی ہے جو اس عورت کی طرف متوجہ ہوا ۔

خیر پولیس نے بہر حال ایک آدمی کو پیش کیا، نہایت حسین وجمیل آدمی نہایت ہی دیدہ زیب اس کی صورت ۔ دیکھ کر لوگ حیران تھے کہ ایسے پاکیزہ صورت کے مالک انسان سے ایسا بُرا فعل کیسے سرزد ہوا؟ یہ فرشتہ صورت آدمی اور اس غلیظ عورت کی طرف کیسے متوجہ ہوا، حیرت ہوئی ۔

پولیس سے سوال کیا گیا کہ تم نے کیسے پہچانا؟ (فوٹوگرافر فوٹو لینے لگے تو آپ نے فرمایا بھئی یہ جو فوٹو لیتے ہیں شرعاً ممنوع ہے ہمیں بدنام نہ کریں، آپ خواہ مخواہ تصویریں لے کر) پولیس نے کہا کہ یہ اصل میں عرائض نویس ہے جیسے تحصیل تھانے پر لوگ عرضیاں لکھنے کے لیے بیٹھے رہتے ہیں اور اُجرت لیتے ہیں ۔ یہ بھی عرائض نویس ہے جہاں اس کی چٹائی بچھی ہوئی تھی وہاں ایک گندے پانی کی نالی بہہ رہی تھی ۔ اس کی دوات خشک ہوگئی تو انہوں نے بے تکلف جو گندہ پانی نالی میں بہہ رہا تھا دوات میں ڈال لیا تو پولیس نے جاکر پکڑ لیا کہ جو ایسی گندی حرکت کر سکتا ہے وہ اس عورت کے ساتھ ملوث بھی ہو سکتا ہے ۔ اس کی طبیعت میں گندگی ہے ۔ جب پکڑنے کے بعد تحقیقات ہوئی تو یہ بات سچی ثابت ہوئی ۔ صورت اتنی حسین وجمیل کہ بقول شخصے: دیکھ کر بھوک بھاگ جائے ۔ اور حرکت ایسی کہ اس گندی عورت کی طرف متوجہ ۔

تو میں عرض کر رہا تھا کہ حق تعالیٰ قادر ہیں وہ بہتر سے بہتر صورت میں بد تر حقیقت ڈال دیں اور گندی سے گندی صورت میں بہترین حقیقت ڈال دیں ۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے دور میں عطاء بن ابی رباح سے بہتر آدمی نہیں پایا ۔ علم و زہد و کمالاتِ ظاہر و باطن کے لحاظ سے ۔ آپ اندازہ کیجیے کہ امام ابو حنیفہؒ جیسی شخصیت جس شخص کی تعریف کرے تو کس درجہ کا اس کا کمال وعلم وفضل ہوگا ۔ علم و کمالات کا تو یہ حال کہ امام ابو حنیفہ مداح اور صورت انتہائی بدنما ۔ کالی کلوٹی ایسی کہ لوگ دیکھ کر بھاگیں اس کالی صورت میں حقیقت اتنی پاکیزہ بھری ہوئی کہ امام ابو حنیفہ بھی گردن جھکاتے ہوتے ہیں ۔ اللہ تعالیٰ اچھی صورت میں بری حقیقت ڈال دے اور بری صورت میں اچھی حقیقت ڈال دے، مگر سنت اللہ یہی ہے کہ اچھی صورت ہوگی تو حقیقت بھی اچھی ہوگی اور بُری صورتیں ہوں گی تو حقیقتیں بھی ویسے ہی درجے کی ہوں گی ۔ اس لیے حدیث میں فرمایا گیا:

"التمسوا الخیر فیہ شان الوجوہ"۔

اچھی حقیقت کو پاکیزہ چہروں میں تلاش کریں ۔

اکثر اس قسم کی تکوینی چیزیں اکثریہ ہوتی ہیں کلیہ نہیں ہوتیں ۔ کوئی نہ کوئی استثناء اس میں نکلتا ہے ۔ عام سنت اللہ یہی ہے کہ جیسی صورت ویسی حقیقت ۔ ہر صورت کے مناسب اللہ اسے حقیقت دیتا ہے اور ہر حقیقت کے مطابق اس کو صورت دیتا ہے ۔ صورت کا نام درحقیقت تعارف کرانا ہے ۔ یعنی حقیقت چھپی ہوئی ہے ۔ اسے پہچان نہیں سکتے جب تک کوئی صورت سامنے نہ آئے ۔ تو صورت ترجمان ہوتی ہے حقیقت کی ۔ صورت دیکھتے ہی آدمی کہتا ہے کہ فلاں چیز ہے ۔ گلاب کی پتی دیکھ کر آپ فوراً پہچان جائیں گے کہ خوشبو اس میں گلاب ہی کی چھپی ہوئی ہے ۔ آم کی شکل دیکھتے ہی پہچان جائیں گے کہ کس ذائقے کا پھل ہے خربوزے کا ذائقہ آپ اس میں کبھی بھی محسوس نہیں کریں گے ۔ صورت درحقیقت ترجمان ہے حقیقت کی، اور اس دنیا میں کوئی حقیقت بغیر شکل کے پہچانی نہیں جاسکتی ۔ اس لیے حق تعالیٰ نے ہر حقیقت کو صورت سے نوازا ہے ۔ اگر کوئی عالم ایسا ہو کہ بلا صورت آپ حقیقت کو پہچان لیں تو پھر صورت کی کوئی ضرورت نہیں رہتی ۔ یہ محض اس لیے رکھی گئی ہے کہ تعارف ہو ۔

آپ حج کرنے کے لیے جاتے ہیں یا یہاں پر بیت اللہ کی طرف رخ کر کے سجدہ کرتے ہیں

تو بیت کی پرستش نہیں ہے۔ بیت اللہ معبود نہیں ہے۔ یہ تو چار دیواری ہے۔ سبز، سیاہ لباس پہنے ہوئے ایک محبوب کی مانند وہ مسجود نہیں ہے کہ آپ اسے سجدہ کریں۔

کعبہ درحقیقت وہ محل مبارک ہے جس کے اوپر عمارت بنی ہوئی ہے، لیکن وہ محل بھی فی الحقیقت کعبہ نہیں۔ اس محل میں بھی تجلی خداوندی گھسی ہوئی ہے اس تجلی کو ہم سجدہ کرتے ہیں، یہ ہے مسجود۔ درحقیقت اس تجلی کے لیے محل کی ضرورت تھی وہ کعبۃ اللہ ہے اس محل کو پہنچوانے کی ضرورت تھی تو کعبہ کی چار دیواری کھچ گئی تو کعبہ ایک علامتی نشان ہے۔ مقصود اصلی نہیں۔ ذات بالا چیز ہے ذات کسی چیز کے اندر نہیں سما سکتی۔ ذات لا محدود ہے۔ محدود چیزوں کے اندر ذات نہیں اتر سکتی۔ البتہ تجلی ایک ایسی چیز ہے کہ بڑی سے بڑی چیز کی چھوٹی سے چھوٹی چیز میں اتر سکتی ہے۔ اس لیے تجلی کے معنی عکس کے ہیں۔

آفتاب بہت بڑی چیز ہے۔ زمین سے ساڑھے تین سو گنا بڑا ہے، لیکن زمین کا چھوٹا سا ٹکڑا جسے آئینہ کہتے ہیں اس میں آفتاب کی پوری تصویر اتر آتی ہے۔ وہ عکس آفتاب ہے، عین آفتاب نہیں۔ ممکن ہی نہیں کہ عین آفتاب آئینے میں سما جائے۔ لیکن اس عکس کو دیکھ کر یہی کہا کرتے ہیں کہ ہم نے آئینہ میں سورج دیکھا۔ سورج کے سارے خدوخال اس آئینے میں موجود ہیں۔ وہی رنگ وہی نقشہ بلکہ کام بھی وہی کرتا ہے وہ عکس جو اصل کا کام ہے۔ گرمی پہونچانا، روشنی پہونچانا۔ اس آئینے کے ذریعے سے بھی آپ کسی قدر گرمی پہونچا سکتے ہیں اور آئینے کے مقابل میں آپ آئینے رکھتے چلے جائیں تو ہر آئینے میں وہ شکل آتی چلی جائے گی اور ان کے واسطے سے دوسرے آئینوں میں بھی روشنی ہوتی چلی جائے گی جو اصل کا کام ہے۔ قندیل یعنی روشنی پہونچانا وہی کام عکس بھی کرتا ہے۔ اس لیے عکس کو دیکھتے ہی کہا کرتے ہیں کہ ہم نے فلاں کو دیکھا ہے۔

آپ کسی کا فوٹو لے لیں۔ فوٹو ناجائز ہی سہی، لیکن فوٹو دیکھتے ہی آپ کہتے ہیں کہ یہ فلاں صاحب ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تصویر میں اور اصل میں عینیت کا علاقہ ہوتا ہے غیریت کا نہیں۔ غیریت ہو تو عکس کو دیکھ کر اصل کو کبھی نہ پہچانیں۔ عکس کا دیکھنا بعینہٖ اصل کا دیکھنا ہوتا ہے۔

حق تعالیٰ شانہٗ کی ذات لامحدود ہے وہ کسی غیر میں کسی مخلوق میں سما نہیں سکتی بالاتر ہے۔ لیکن مخلوق کو اس پہنچوانے کے لیے بیچ میں اللہ نے تجلی کا راستہ رکھا ہے کہ اصطلاح میں یا اس آئینے میں بیت اللہ کے اندر اپنا عکس ڈال دیا ہے اور عکس بڑی سے بڑی چیز کا چھوٹی سے چھوٹی چیز میں بھی آسکتا ہے۔

تو درحقیقت مسجود وہ تجلی اور وہ عکس خداوندی ہے جو اترا ہوا ہے۔ کعبۃ اللہ میں۔ تو یہ بیت اللہ کی عمارت ایک علامتی نشان ہے اگر یہ نہ ہو تو پھر سجدہ کیوں ہوگا، کیونکہ وہ چیز موجود نہیں جس کو سجدہ کیا جاسکے۔

منڈی حاصل پور میں

رسالہ خدام الدین و ترجمان اسلام قاری دین محمد قاسمی مدرسہ امدادیہ سے حاصل کریں۔ پرچہ گھر پر پہنچانے کا مکمل انتظام ہے۔

دعاءِ صحت کی درخواست

چوہدری حمید محمد صاحب لدھیانوی جو کہ تحریک ختم نبوت کے پرانے کارکن ہیں۔ آج کل صاحب فراش ہیں۔

قارئین خدام الدین اور دیگر حضرات سے ان کے لیے صحت کی دعا کی درخواست ہے۔

از مولانا حکیم محمد شعیب

مذہب اور سیاست

جدا ہو دین سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

یہ تصور کم و بیش ہر مذہب ماننے والے میں موجود ہے کہ یہ فانی زندگی دار العمل ہے جو یہاں بو گئے وہی وہاں کاٹ لیں گے اس لیے ہر دین بنیادی طور پر معروفات (بھلائیوں) کی ترغیب اور منکرات (برائیوں) سے نفرت دلاتا رہا اور یہی تہذیب کی بنیادی اینٹیں ہیں۔

پتھروں اور چٹانوں کے زمانہ کے انسانوں سے آج ایٹم اور ہوائی جہاز کے انسانوں تک ہر دور میں مذہب اور اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے مقدس انسانوں نے ہی راہبری کی اور جوں جوں ان مقدسین کی بتائی ہوئی راہوں کو مٹایا گیا۔ اتنی ہی دنیا بربادی کے قریب ہوتی گئی۔ آج وہ دور ہے کہ یہ احسان ناشناس انسان مذہب کو ایک گالی تصور کرنے لگا ہے۔

ملوکیت سے لے کر کمیونزم تک ہر انسان ہمیشہ خود غرض و خود آسائش رہا۔ اس کے نزدیک مقدم ہمیشہ ذاتی راحت رہی۔ انسانیت۔ انصاف یا رحم و فیاضی جب بروئے کار آئی جب اس کا اپنا پیٹ ناکوں ناک بھر جاتا۔ ملوکیت کے زمانہ میں تو پھر ایک تنہا شخص کی خواہشات اور تمنائیں ہوتی تھیں وہ محدود ہی نہیں ہوتی تھیں۔ آج جب کہ جمہوریت کا دور ہے ان کی حاکم پارٹی کے افراد لاکھوں ہو جاتے ہیں۔ اس لیے اس کی ذاتی تمنائیں اور خواہشات لامحدود ہو جاتی ہیں اور ذاتی اغراض تو اتنی زیادہ ہوتی ہیں کہ فیاضی تو درکنار باقی دنیا کو زندہ رہنے کے وسائل سے بھی محروم ہونا پڑتا۔ پھر یہ اتنے ظالم ہیں کہ سب مل کر ظلم اکبر ہو جاتے ہیں۔ بادشاہ اکیلا ہوتا تھا ظالم تھا مر گیا دوسرا اچھا آگیا مگر یہ نام نہاد جمہوریت آج کی وہ لعنت ہے کہ اس سے چھٹکارے کی آس ہی نہیں رہتی۔ مذہب یا آئین خداوندی کا خوف ہی ایسا تھا جو ان ظالموں کو سدھارتا اس لئے انہوں نے سب سے زیادہ مذہب کو مٹانے کا پروپیگنڈا کیا اور مذہبی لوگوں کی ذاتی خرابیوں کو مذہب کا نتیجہ قرار دے کر اس کو انتہائی گھناؤنا روپ دے دیا، اور شیطان نے اس ظالم جمہوریت اور سیکولرزم کے دماغوں پر ایسا قبضہ کیا کہ گویا دنیا نے اتنی مدت کے بعد منزل مقصود کو پالیا اور لامذہبی ہی دنیا کی آسودگی چین و راحت کی ذمہ دار ہے۔

جب اکثریت اس کی تابع ہو جائے تو پھر دنیا میں چین کہاں تاریخ کے اوراق سامنے ہیں۔ کیا ملوکیت کے زمانہ میں دنیا اتنی بے چین اور خوفزدہ تھی جتنی آج ہے کیونکہ ملوکیت اپنے اپنے طبقات تک محدود تھی اور یہ لعنتی جمہوریت پوری دنیا پر مسلط ہے اور خدا ناشناس جمہوریت کا تصادم خدا جانے کب پوری دنیا کو بھسم کر دے۔

یہ سب نتیجہ ہے، مذہب سے دوری اور خدا تعالیٰ سے بے خوفی کا۔ کیونکہ جب تک ہر ہر فرد کو یہ یقین نہ ہو کہ اس کے ہر ظاہر و خفیہ کردار کو ایک بڑا طاقتور دیکھنے والا موجود ہے اور اس کے سامنے جوابدہی لازمی ہے اس کو اپنی ہر غلط سے غلط تمنا پوری کرنے سے کون روک سکتا ہے۔ یا روک سکے گا۔

خوف ہی انسانی سرکشی کا سب سے بڑا تازیانہ ہے۔ خدا تعالیٰ کا خوف تو بڑی چیز ہے دیکھ لیجئے جب اس کے بدلے انگریز کا خوف تھا۔ تو یہاں کی حکومت کیسی تھی۔ اور آج کیسی ہے آج بے خوفی کا دور دورہ ہے چوروں کے آگے چور جوابدہ ہیں۔ پھر خوف کس کا وزیر سے لے کر چپراسی تک اس حمام میں سب ننگے ہیں۔ ظلم بے انصافی اتنی عام ہے کہ وہ اب بالکل معمولی اور روزمرہ کے واقعات ہو کر رہ گئے ہیں۔

مذہب کا تصور ذہن کے کسی گوشہ میں بھی ہوتا، تو کبھی تو سوچا جاتا کہ اس ظلم و بیدردی کا پھل بھگتنا ہوگا۔ تو کبھی شاید ہاتھ رک جاتا۔

اب یہ عام بات عام چلن اور عام رجحان ہو گیا ہے۔ کہ مذہب کو سلطنت سے اور دین کو سیاست سے کوئی واسطہ نہیں۔ دین مذہب ذاتی کردار ہیں اور سیاست و سلطنت عام گویا سلطنت و سیاست میں کردار کو دخل نہیں کتنی لایعنی بات ہے اور سیاست انسانی زندگی سے کوئی علیحدہ چیز ہے

حالانکہ مذاہب وہی اچھا دستور العمل ہیں جو خدا تعالیٰ کے بھیجے ہوئے برگزیدہ بندوں نے نافذ کیا۔ اور جو انسان کی زندگی کے ہر سانس سے وابستہ ہے اصل میں آج کی بے ایمان دنیا اپنی آسائش و راحت اور آسودگی کو پورا کرنے کے لئے جہاں ضرورت سمجھتی ہے مذہب سے کام لیتی اور ضرور کام لیتی ہے۔ اور ان میں سے ایک مسخرا بھی ذہنی طور پہ مذہب سے بیگانہ نہیں ہے۔

مثال کے طور پر ایک ایسے ہی بے دین و مذہب کو آپ "...." کہہ دیجئے پھر دیکھئے وہ پوری طاقت سے آپ کی جان لینے کو تیار ہو جائے گا پوچھئے یہ حرام وحلال کس نے بتایا ہے، دو مرد عورت اگر فطری تقاضوں کو مل کر پورا کرتے ہیں۔ اسی لئے اولاد ہوتی ہے، پھر حلالی وہ ہے جو مذہب کے بتائے ہوئے طریقہ سے یکجا ہو کر اولاد پیدا کرتا ہے اور اس کے علاوہ باقی غیر قانونی اور آج بھی بے عزت ہیں یا.... حالانکہ فطری تقاضے دونوں جگہ یکساں ہیں۔

اسی طرح دیکھئے ماں اور بہن کا احترام کس نے بتایا۔ صرف مذہب اور خالص مذہب نے۔ اور آج بے دینی اور لامذہبی کے زمانہ میں بھی اس احترام کی شدت کم نہیں ہوئی۔ حالانکہ فطری تقاضوں پر کوئی پابندی نہیں ہے کہ وہ ماں بہن اور بیوی میں کوئی امتیاز کر سکیں۔

پھر یہ کتنی رسوا کن ذہنیت ہے کہ زندگی کے ایک شعبہ میں تو مذہب اتنا ناگزیر ہو۔ کہ اس کی خلاف ورزی آج بھی ذہنوں میں ارتعاش پیدا کر دیتی ہو۔ اور دوسری طرف سیاست میں مذہب کا دخیل ہونا گویا سیاست کو گندہ کرنا ہے، یہی وہ اعمال ہیں جس نے دنیا کو سب کچھ دینے کے بعد کچھ بھی نہیں دیا یعنی چین چھین لیا۔ اور چین ہے اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے راستہ پر چل کر دنیا میں رہنا۔ اصولی طور پر مذہبی تصورات مختلف مذاہب کے ایک ہی ہیں۔ اختلافات فروعی ہیں اس لئے مسلمان ہو یا عیسائی یہودی ہوں یا ہندو۔ سب کا دین ابتداءً ایک ہی ہے سیاست و سلطنت جو انصاف مساوات، احترام حقوق۔ انسانی آزادی کے ضامن ہوتے ہیں۔ خالص مذہب کے ماتحت ہوں تو کونسا مذہب اس میں مانع ہو سکتا ہے۔

سیاست کو مذہب سے جدا کرنے والے جھوٹے اور خود غرض ہیں جب تک مذہب سیاست میں دخیل نہ ہو۔ بقول علامہ اقبال وہ صرف چنگیزی رہ جاتی ہے یعنی جلادی، ظلم، بے انصافی اور خود غرضی سے معمور دنیا۔ ابھی غالباً اس کا وقت نہیں آیا ہے اور دنیا کو ابھی اور تباہیوں سے دوچار ہونا ہے جو مذاہب سے دوری کا پرزور پروپیگنڈا ہوتا رہتا ہے۔

بقیہ : ذکر بالجہر کی حیثیت

ان کا باوا آدم ہی نرالا ہے۔ انہوں نے تو دین کی بات میں کوئی نہ کوئی چیز داخل کر رکھی ہوئی ہے۔ اگر کوئی انہیں سنّت پر عمل کرنے کی ترغیب دیتا تو پھر وہابی کہلاتا ہے۔

انقلاب زمانہ دیکھئے آج جو سنّت پر عمل کرے اور اس کی تاکید کرے وہ وہابی کہلائے اور جو سنّت کو جڑ سے اکھیڑنے والا اور بدعت کا شیدائی ہوتا ہے وہ اپنے آپ کو "اہل سنّت" کہلاتا ہے۔ فیا للعجب۔

ناظرین سے استدعا ہے کہ گزشتہ صفحات کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد خود فیصلہ کر لیں کہ کون اہل سنّت ہے۔ اور کون اہل بدعت ؟ یہ فیصلہ کرنا آپ کا کام ہے۔

اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو سنّت پر چلنے اور بدعت سے بچنے کی توفیق بخشے۔ آمین ثم آمین (جاری ہے)

بقیہ : تاریخی ڈائری

مسلمان نے خدا کی ہستی پر پُر زور دلائل دیئے اور دہریے نے بھی بڑی ہشیاری سے جوابات دیئے لیکن جب بحث ختم ہوئی تو دہریہ مسلمان ہو گیا اور مسلمان دہریہ بن گیا

حقیقی غیرت

خلیفہ مہدی عباسی بڑا متقی، پارسا، انصاف پسند اور کفایت شعار تھا وہ کھُردرا لباس پہنتا اور جَو کی روٹی نمک اور سرکہ سے کھاتا تھا۔ ایک دن کسی درباری نے پوچھا کہ آپ نے یہ فقیرانہ زندگی کیوں اختیار کر رکھی ہے؟ کہا "میں غیرت کا شکار ہو گیا ہوں۔ میں یہ گوارا نہیں کر سکتا کہ امیہ میں تو عمر بن عبدالعزیزؒ ہو لیکن عباسیہ میں کوئی نہ ہو۔"

بھول جائیے

ایک دفعہ خلیفہ مکتفی نے حضرت جنید بغدادیؒ کو دربار میں بلایا اور بڑی تکریم کی پھر دوران گفتگو سوال کیا کہ آپ کی سب سے بڑی خواہش کیا ہے میں جسے پورا کر سکوں؟ فرمایا۔ یہی کہ آپ مجھے بھول جائیں اور آئندہ یاد نہ فرمائیں۔

طبی معلومات

خاکشی، مویز منقیٰ اور عناب خسرہ کا شافی علاج ہے

ڈاکٹر ریاض الحسن کا بیان تعصب یا جہالت کا آئینہ دار ہے! استاذ الحکماء حکیم آزاد شیرازی (سابق پرنسپل طبیہ کالج) تذکرہ لاہور

روزنامہ مشرق کی حالیہ اشاعت

(جنوری ۱۹۷۵ء) میں ڈاکٹر ریاض الحسن صاحب کا ایک مضمون "خسرہ" کے متعلق شائع ہوا ہے جس میں موصوف نے ایلوپیتھ ڈاکٹروں کی روایتی ہٹ دھرمی سے کام لیتے ہوئے یہ بڑا شک ہے کہ جبھی بوڑھیاں خسرہ میں مویز منقیٰ اور خاکشی کا جوشاندہ پلاتی ہیں تاکہ خسرہ کے دانے باہر نکل آئیں۔ لیکن یہ خیال بالکل غلط ہے — وغیرہ

ڈاکٹر ریاض الحسن کا یہ بیان ان کے تعصب یا بے خبری کا آئینہ دار ہے۔ اول تو ان کی یہ بات بالکل غلط ہے کہ یہ علاج صرف بوڑھی عورتوں کا تجویز کردہ ہے — ڈاکٹر صاحب کی اطلاع کے لئے گزارش ہے کہ یہ طریق علاج طب یونانی کا تجویز کردہ ہے اور ہزاروں طبیبوں کا معمول ہے جس سے ہزاروں بچے صحت یاب ہوتے ہیں اور ایلوپیتھ دواؤں کے میٹھے زہر سے محفوظ رہتے ہیں۔

ڈاکٹر صاحب اگر حکیم محمد کبیر الدین کی کتاب الادویہ یعنی مخزن مفردات کا مطالعہ گوارا فرمائیں تو خاکشی کے بیان میں یہ سطور ان کی نظروں سے گزریں گی۔ "خاکشی کو دافع بخار ہونے کی وجہ سے بخاروں میں بکثرت استعمال کیا جاتا ہے، چیچک اور خسرہ میں بھی اس کا جوشاندہ پلاتے ہیں نیز بستر مریض پر چھڑکتے ہیں۔ ایسا کرنے سے چیچک اور خسرہ کے دانے جلد ظاہر ہو جاتے ہیں" عناب کے بیان میں ان پر یہ حقیقت روشن ہو گی۔ کہ عناب کو نزلہ زکام کھانسی اور خشونت سینہ کو رفع کرنے اور غلیظ اخلاط میں نضج دینے کے لئے بکثرت استعمال کیا جاتا ہے پیاس کو تسکین دینے اور بخار کی حدت کو کم کرنے کے لئے دموی و صفراوی بخاروں اور چیچک کے بخار میں اس کا خیسانده بنا کر پلایا جاتا ہے —

اور اب مویز کا بیان بہ ملاحظہ فرمائیے :-

"جن مریضوں کو معمولی غذا سے پرہیز کرایا جاتا ہے۔ ان کو غذا کے قائمقام صرف منقیٰ کھلائی جاتی ہے۔ مویز منقیٰ کو اخلاط غلیظ کے نضج دینے کے لئے امراض باردہ بلغمیہ و سوداویہ میں دیگر ادویہ منضجہ کے ہمراہ استعمال کیا جاتا ہے تسمین کی غرض سے صرف مویز منقیٰ کو کھلایا جاتا ہے یا دیگر ادویہ کے ہمراہ مقوعاً یا مطبوخاً پلایا جاتا ہے"۔

مخزن المفردات کے ان اقتباسات کے بعد ڈاکٹر صاحب کی یہ غلط فہمی دور ہو جانا چاہئے کہ یہ علاج عورتوں کا تجویز کردہ ہے — رہا اس علاج کی افادیت کا مسئلہ — سو ڈاکٹر صاحب خسرہ کے چند مریض کسی طبیب کے پاس بھیج دیں اور چند اپنے پاس رکھیں — پھر نتیجہ خود بخود ظاہر ہو جائے گا — یہی گوئے و یہی میدان!

جہاں تک ڈاکٹر صاحب کا یہ بیان ہے کہ خسرہ بھی دوسری تمام بیماریوں کی طرح جراثیم سے پیدا ہوتا ہے — آیورویدک، طب یونانی اور ہومیوپیتھی طریقہائے علاج نے عملی طور پر ایلوپیتھی کی اس تھیوری کو روز اول غلط ثابت کر رکھا ہے اور ڈاکٹر ریاض الحسن اور ان کے ہم نوا ڈاکٹر حضرات کیلئے ہمارا ہر وقت کھلا چیلنج ہے کہ وہ جس میدان میں چاہیں — آزمائیں —!

ادھر آ ستمگر ہنر آزمائیں
تو تیر آزما ہم جگر آزمائیں

مکرر: ڈاکٹر صاحب کے مضمون کے جواب میں یہ مختصر مضمون روزنامہ مشرق لاہور کو بغرض اشاعت اسی روز دیا گیا تھا — لیکن افسوس "صحافتی بددیانتی" کی نذر ہو گیا —

راقم الحروف تو منتظر تھا کہ مشرق کے طبی کالم نویس حکیم نور احمد ڈاکٹر صاحب کے اس مضمون کا نوٹس لیں گے لیکن وہ تو خود افرنگی مصلحتوں کا شکار معلوم ہوتے ہیں — من از بیگانگاں ہرگز نہ نالم

افسوس بے شمار سخنہائے گفتنی خوفِ فسادِ خلق سے ناگفتہ رہ گئے

(یکم فروری ۱۹۷۵ء — آزاد شیرازی)

شیلیفون نمبر ۶۰۵۲۵

The Weekly "KHUDDAMUDDIN"
LAHORE (PAKISTAN)

رجسٹرڈ ایل نمبر ۶۰۲۶

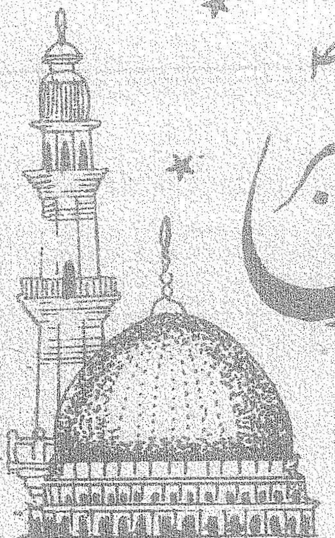
منظور شدہ محکمہ تعلیم (۱) لاہور ریجن بذریعہ چٹھی نمبری G/۱۴۳۲۱ مورخہ ۳۰ مئی ۱۹۵۶ء (۲) پشاور ریجن بذریعہ چٹھی نمبری T.B.C-۲۲۷-۲۳۸۱ مورخہ ۱۸ ستمبر ۱۹۵۶ء (۳) کوئٹہ ریجن بذریعہ چٹھی نمبری ۲۹/۹/۶۶-۱۰۷۶-D.D.4 مورخہ ۲۲ اگست ۱۹۶۴ء (۴) راولپنڈی ریجن بذریعہ میمو نمبر G.M/۳-۱۵۲۱۰ مورخہ ۱۹۶۶ء

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نمبر سے پہلے

خدام الدین کا

سیرۃ النبی ﷺ نمبر

آرہا ہے



یہ نمبر ولادتِ رسول ﷺ سے وصالِ رسول ﷺ تک کے تمام حالات و واقعات پر ایک حسین و جمیل تاریخی اور تحقیقی مرقع ہوگا

ایجنٹ حضرات مطلوبہ تعداد سے آگاہ کریں

کاروباری ادارے اس عظیم الشان نمبر میں اشتہارات دے کر اپنے کاروبار کو فروغ دیں

عبید اللہ انور پبلشر نے باہتمام ... پرنٹنگ پریس لاہور سے چھپوا کر شیرانوالہ گیٹ لاہور سے شائع کیا۔